ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
ستمبر ۲۰۱۲ء
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

یادگار: شہید پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۶۰ واں سال

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
کراچی

شوال المکرم ۱۴۳۳ ہجری

شمارہ ۹
جلد ۶۰

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ٹیلے فون ← 36620945 سے 36620949
ایکسٹینشن ← (054 یا 052 یا 066)
ٹیلے فیکس نمبر ← (92-021) 36611755
ای میل ← hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ← www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ← www.hamdard.com.pk
ویب سائٹ ادارہ سعید ← www.hakimsaid.info

صدر مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
مسعود احمد برکاتی

ISSN 02 59-3734

قیمت عام شمارہ
۳۵ روپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ روپے

سالانہ ([illegible])
۳۴۰ روپے

سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ روپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰ امریکی ڈالر

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن نے تنظیم نونہالان پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

سعدیہ راشد پبلشر نے اساس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

محمد شہیل، کراچی

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۷۴۶۰۰

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد

شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دو عادتیں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی اچھی چیز نہیں: ایک تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچانا اور دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی بُرائی نہیں: ایک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، دوسرے مسلمانوں کو ستانا۔

اس فرمان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے آقاؐ نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کو اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور دونوں کو بہترین خوبی قرار دیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو ستانے کو شرک کے برابر بتایا ہے، اس لیے جو لوگ کسی مسلمان کو ستاتے ہیں، دکھ دیتے ہیں، وہ سمجھ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس درجے کے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

ستانے کی کئی صورتیں ہیں: مارنا، پیٹنا، زخمی کرنا، پیسہ چھیننا، کسی سے کام لے کر اس کی اُجرت نہ دینا یا کم دینا، کسی سے اُجرت لے کر اچھا اور پورا کام نہ کرنا، کوئی چیز حد سے زیادہ منافع لے کر بیچنا، کوئی مال خراب ہو تو اس کا عیب ظاہر کیے بغیر یا اس کو بے عیب کہہ کر فروخت کرنا، کسی کے بچے کو اس سے جدا کرنا، یہ سب ستانے اور دکھ پہنچانے کی قسمیں اور شکلیں ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ ایمان پر قائم رہنا چاہتا ہے تو مسلمانوں کو ستانے کے ان تمام طریقوں سے بچے اور اپنے اعمال پر غور کرتا رہے کہ اس نے جان بوجھ کر یا بے خیالی میں کوئی کام ایسا تو نہیں کیا، جس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے۔ یاد رکھو، اچھا مسلمان خود نقصان اُٹھا لیتا ہے، دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کسی کو فائدہ اور آرام پہنچانے کے لیے تکلیف اُٹھانے میں جو راحت اور سکون ملتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

(ہمدرد نونہال ستمبر ۱۹۸۹ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

جو شخص بہت جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کم جانتا ہے۔ جو شخص بہت کم جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت جانتا ہے۔

ستمبر ۲۰۱۲ء کا ہمدرد نونہال آپ کے سامنے ہے! پڑھیں، پسند کریں تو اچھا ہے، آپ کی بڑی مہربانی، عنایت، کرم، آپ کا شکریہ۔

ناپسند بھی ہو سکتا ہے۔ صفائی سے یہ بھی لکھ دیں، صاف اور سچی بات کہنا بھی بڑی بات ہوتی ہے۔ میں بُرا نہیں مانوں گا، چاہے مجھے بُرا لگے، لیکن خوشی اس بات سے ہو گی کہ نونہال صاف بات کرتے ہیں۔ اکثر بڑوں کی طرح مروت یا مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ خیر، یہ میں کیا کہانی لے بیٹھا۔ آپ تو رسالہ پڑھیں اور لطف اُٹھائیں۔ آپ کو اچھا ہی لگے گا، ان شاء اللہ۔ تو پھر آگے چلیں۔

ستمبر کا مہینا ہماری تاریخ میں کئی لحاظ سے یاد رکھا جاتا ہے۔ ۱۱۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح دنیا سے تشریف لے گئے۔ ان کے بعد قائد ملت لیاقت علی خاں ہماری رہنمائی کر رہے تھے۔ انھوں نے پاکستان کو سنبھال لیا تھا۔ قوم کا حوصلہ بلند رکھا تھا، لیکن پاکستان کے دشمنوں کو یہ پسند نہ تھا۔ انھوں نے لیاقت علی خاں کو شہید کر دیا اور پاکستان کے عوام ان کے سائے سے بھی محروم ہو کر ایک دم کڑی دھوپ میں آ گئے اور آج تک اس کی سخت تپش میں ہیں، مگر دوستو! مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ سچا رہنما ضرور پیدا ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

نونہال اپنے خط میں اپنا پورا پتا اور فون نمبر بہت صاف صاف لکھا کریں۔ جس خط میں پتا صاف نہیں لکھا ہو گا، مجھے اختیار ہو گا کہ میں اس خط کو پڑھوں بھی نہیں۔

ہاں، ایک اہم اور بہت اہم بات یہ کہ نونہال اچھے لطیفے نہیں بھیج رہے ہیں۔ بہت اچھے لطیفے بھیجیں تو پڑھنے میں سب کو مزہ آئے گا۔

خدا حافظ

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔

مرسلہ : شہزیم راجا، جھڈو

حضرت ابوبکر صدیقؓ

سحر خیزی یعنی جلد بیدار ہونے میں پرندوں کا سبقت لے جانا، تمھارے لیے باعثِ ندامت ہے۔

مرسلہ : ماہ نور طاہر، کراچی

شیخ سعدیؒ

صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، ہر کام آسان ہونے سے پہلے مشکل ہوتا ہے۔

مرسلہ : محمد علی حسن چشتی، ڈیرہ غازی خان

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

دنیا دریا ہے اور آخرت کنارہ۔ تقوا کشتی اور لوگ مسافر ہیں۔ مرسلہ: محمد عزیر چشتی، ڈیرہ غازی خان

ارسطو

سب سے بڑا بزدل وہ ہے، جو موت سے ڈرتا ہے۔ مرسلہ : ربیعہ نعیم، ملتان

جبران خلیل جبران

قسمت ایک پہیے کی طرح گھومتی ہے۔ کوئی اوپر چلا جاتا ہے اور کوئی نیچے کی طرف آ جاتا ہے۔ جب تم اوپر جاؤ تو نیچے والوں کا ہاتھ تھام لو، کیوں کہ اگلے چکر میں تمھیں بھی نیچے آنا ہوگا۔

مرسلہ : سامعہ ثناء اللہ، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

کتاب کا فیض سب کے لیے عام ہے، وہ نہ غریب و امیر میں امتیاز کرتی ہے، نہ کسی کا مذہب، ملک یا قوم دیکھتی ہے۔ مرسلہ: شیخ حسن جاوید، کراچی

شیکسپیئر

نصیحت سچی خیر خواہی ہے، جسے ہم نہیں سنتے، لیکن خوشامد بدترین دھوکا ہے، جس پر ہم پوری توجہ دیتے ہیں۔ مرسلہ : ریحان احمد، ساہی وال

ٹینی سن

خود اعتمادی، خود شناسی، ضبطِ نفس، یہ تین چیزیں انسان کی زندگی کو کامل بنا دیتی ہیں۔

مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

حمدِ باری تعالیٰ

تنویر پھول

سب سے اعلا وہ ذاتِ باری ہے
اُس کی محکوم خلق ساری ہے

ہے وہ سب کو سنبھالنے والا
جان تنکے میں ڈالنے والا

وہ مریضوں کو دیتا ہے صحت
ہر طرف ہے رحیم کی رحمت

رزق دیتا ہے سب کو وہ رزّاق
بالیقیں وہ علیم اور خلّاق

اُس نے سورج کو روشنی بخشی
چاند کو نور و دل کشی بخشی

اس نے روشن کیا ہے راہوں کو
بخشتا ہے وہی گناہوں کو

پھولؔ اس کا حقیر بندہ ہے
اس کے در پر یہ محوِ گریہ ہے

حاکم کا انصاف

مولانا مائل خیرآبادی

ہندستان کے مغل بادشاہوں میں جہانگیر اپنے انصاف کے لیے بہت مشہور ہے۔ انصاف کے معاملے میں اس نے اپنی چہیتی بیگم نور جہاں کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی۔

ایک بار ملکہ نور جہاں اپنے محل کی چھت پر ٹہل رہی تھی۔ اس وقت پہرا لگا ہوا تھا کہ محل کے آس پاس کوئی مرد نہ گزرے۔ اتفاق کی بات ایک دھوبی آ نکلا۔ دھوبی کی نظر ملکہ پر پڑی اور ملکہ نے دھوبی کو دیکھا۔ ملکہ کو بڑا غصہ آیا کہ ایک غیر مرد نے اُسے دیکھ لیا ہے، اُس نے اُس دھوبی کو گولی ماردی۔ دھوبی وہیں گرا اور مر گیا۔

دھوبی کے وارثوں نے خون کا دعوا کر دیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا۔ تحقیقات ہوئی۔ ملکہ نور جہاں نے اقبالِ جرم کرلیا کہ اُسی نے مارا ہے۔ اعتراف کرنے پر بادشاہ نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ ملکہ نور جہاں محل سے گرفتار ہو کر حوالات میں بھیج دی گئی اور اس کے لیے کھانے پینے کا وہی انتظام ہو گیا، جو ایسے مجرموں کے لیے ہوتا ہے۔

جہانگیر کے اس فیصلے سے شہر بھر میں ہل چل مچ گئی۔ اسی وقت لوگ نور جہاں کو بچانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بادشاہ سے سفارش کی، لیکن وہ فیصلہ بدلنے پر راضی نہ ہوا۔ اب کوشش یہ ہونے لگی کہ دھوبی کے گھر والے منھ مانگا خون بہا لیں اور خون کے بدلے خون ہونے سے ہاتھ اُٹھا لیں۔

خون بہا کے بارے میں ان سے کہا گیا اور سمجھایا گیا تو وہ معاف کرنے پر تیار ہو گئے۔ انھوں نے معافی نامہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ تب جا کر نور جہاں کی جان بچی۔ نور جہاں کو جہانگیر کتنا چاہتا تھا، اس کا اندازہ اس فقرے سے ہو سکتا ہے جو معافی کے بعد اس نے نور جہاں سے کہا تھا: ''اے ملکہ! اگر تم موت کے گھاٹ اُتر جاتیں تو میں کیسے زندہ رہتا؟'' ☆

نعت شریف

محمد مشتاق حسین قادری

بنے سارے عالم برائے محمدؐ — یہی کہہ رہا ہے خدائے محمدؐ

بسا قلب میں ہے محمدؐ کا جلوہ — مرے جان و دل ہیں فدائے محمدؐ

محمدؐ کا چرچا ہمیشہ رہے گا — ثنا ہے خدا کی، ثنائے محمدؐ

تمنا ہے میری، تمھاری محبت — مرے دل سے ہرگز نہ جائے محمدؐ

ہماری بھی بر آئے حسرت کبھی تو — ہمیں بھی مدینہ دکھائے محمدؐ

یقیناً ہیں یہ بادشاہوں سے بڑھ کر — بڑے محترم ہیں گدائے محمدؐ

ملایا ہے مشتاق خالق سے ہم کو
کہ عرفانِ رب ہے عطائے محمدؐ

پڑھے توتا، پڑھے مینا

ناصر زیدی

یہ ہماری اپنی کہانی ہے۔ ایک طرح کی آپ بیتی اور جگ بیتی بھی۔ اُس وقت ہم ماڈل ٹاؤن لاہور میں پرائمری اسکول میں پانچویں جماعت کے طالب علم تھے۔ چوتھی جماعت کا امتحان محترمہ مبارک بانو کے ''پاکستان گرلز اسکول'' راولپنڈی سے پاس کیا تھا اور اچھے خاصے اعزاز کے ساتھ پاس کیا تھا، مگر ہماری شرارتوں کی وجہ سے ہیڈ مسٹریس صاحبہ نے ہمیں پانچویں جماعت میں داخل کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اُن کا خیال تھا: ''اس لڑکے کے لچھن ٹھیک نہیں ہیں۔''

اچھے بچو! اس اسکول میں لڑکے، لڑکیاں ساتھ پڑھتے تھے۔ ہم آدھی چھٹی (انٹرویل) کے وقفے میں لڑکیوں کے بستوں سے املی چُرا لیتے تھے۔ کھاتے کم تھے، ضائع زیادہ کرتے تھے، بس یونہی شرارتاً۔ بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی، آخر پکڑے گئے۔ ہماری مس شہناز نے، جو ویسے تو خوش اخلاق تھیں، مگر نجانے کیوں اس دن غصے میں سزا کے طور سر پر سلیٹ دے ماری۔ ماتھے سے خون کا فوارہ بہ نکلا۔ مس نے گھبرا کر اپنا سفید شیفون کا دوپٹا پھاڑا اور پانی میں بھگو کر خون روکنے کے لیے ماتھے پر باندھا اور خون تھمنے تک ہمیں سینے سے لگائے رکھا۔ سزا کا خوف ختم ہوا اور شفقت کا یہ عمل ہمیں اچھا لگا۔ معاملہ رفع دفع ہوا، بات آئی گئی ہوگئی، مگر سخت گیر ہیڈ مسٹریس مبارک بانو نے ہمیں پانچویں جماعت میں لڑکیوں کے ساتھ پڑھائی جاری رکھنے کا اہل نہ سمجھا۔

اس دوران ہمارے والدین یو پی سے ہجرت کر کے لاہور، ماڈل ٹاؤن میں آ بسے تھے۔ ہم بھی اپنی بڑی بہن اور بہنوئی سے جدا ہو کر راولپنڈی سے لاہور پہنچے اور پانچویں جماعت میں داخل ہوگئے۔ بتانا ضروری یہ تھا کہ املی چوری کی سزا کے نتیجے میں ہمیں شہر بدر ہونا پڑا۔ ماڈل

ٹاؤن لاہور کے پرائمری اسکول میں ہمارے ہیڈ ماسٹر عبدالعزیز صاحب تھے، جو لدھیانہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان کا تمام خاندان، ان کی نظروں کے سامنے وحشیانہ مارکاٹ کی نذر ہو گیا تھا۔ صرف وہ اور ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا عبدالرزاق ہی بچ سکے تھے۔ انھوں نے بیٹے کے لیے ہر طرح کی قربانی دی اور اس کی پرورش باپ سے زیادہ ماں بن کر کی۔ انھوں نے ایک بکری خرید رکھی تھی، جو اسکول میں بھی ان کے ساتھ ہی ہوتی، گاندھی جی کی بکری کی طرح۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بکری کا دودھ دوہتے اور بیٹے کو پلاتے رہتے۔ وہ بیٹا ان کی زیرِ تربیت پڑھ لکھ کر ٹیچر بنا، ہیڈ ماسٹر بنا، لیکچرار ہوا اور پھر ماڈل ٹاؤن کالج کا پرنسپل بھی بنا۔ اب یہ دونوں باپ بیٹے اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ہیڈ ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم و مغفور بہت اچھے استاد تھے۔ وہ شاگردوں کو علم گھول کے پلانے کے قائل تھے۔ چوتھی، پانچویں جماعت کے طالب علموں کے لیے لائبریری میں آدھا گھنٹہ گزارنا لازمی تھا۔ اسی دوران ہمیں پھول، کھلونا، بھائی جان، تعلیم و تربیت، بچوں کی دنیا، پھلواری اور بچوں کے بہت سے دیگر اچھے اچھے رسالے اور کتابیں پڑھنے کا چسکا پڑا۔ بادشاہوں، شہزادوں، جن، بھوت پریت اور جادوگروں کی کہانیاں اچھی لگتی تھیں۔ ان میں بہادری کا، سچ بولنے کا، بڑوں کا کہنا ماننے کا اور علم حاصل کرنے کا درس بھی پوشیدہ ہوتا تھا، مگر اس کا کیا علاج کہ ہمیں شرارتیں ہی اچھی لگتی تھیں۔ جو طالب علم پڑھائی سے بے پروا، کلاس سے غائب رہنے والے یا حد سے زیادہ بدتمیزی کی سطح تک شریر ہوتے، ہیڈ ماسٹر عبدالعزیز صاحب ان کے کان مروڑتے، ان کی انگلیوں میں پنسل پھنسا کر دباتے اور جب وہ چیختا تو مخصوص انداز میں یہ راگ الاپتے:

پڑھے توتا، پڑھے مینا
کبھی انسانوں کے بچے بھی پڑھے ہیں؟

اچھے بچو! پانچویں جماعت میں میرا ایک کلاس فیلو تھا، فضل حق۔ سانولا سلونا سا لڑکا،

بے حد ذہین، مگر بہت شریر۔ وہ ایک فیکٹری کے مالک، امیر کبیر شخص کا اکلوتا بیٹا تھا۔ نت نئی شرارتوں کے سبب اکثر کان کھنچواتا اور پڑھائی سے بھاگنے کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر کا مخصوص طنزیہ راگ ضرور سنتا۔ وہی:

پڑھے توتا، پڑھے مینا
کبھی انسانوں کے بچے بھی پڑھے ہیں؟

ایک روز ہم دونوں دوست، اسکول سے آدھی چھٹی ساری کر کے نکل بھاگے اور جی بلاک میں بسم اللہ بیگم (سر ظفر اللہ خاں، سابق وزیرِ خارجہ پاکستان کی والدہ) کی کوٹھی سے ملحقہ دوسری قطار میں ایک ریٹائرڈ کرنل صاحب کی کوٹھی میں آم چرانے کے لیے داخل ہو گئے۔

آم ٹہنیوں میں اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ خواہ مخواہ ہاتھ بڑھا کے توڑنے کو جی مچلتا تھا۔ فضل حق ایک درخت پر چڑھ گیا، اپنی قمیص کی جیب اور پتلون کی دونوں جیبیں آموں سے اٹا اٹ بھر لیں تو میں نے اپنی قمیص کا دامن، پتلون سے باہر نکالا اور جھولی بنا کر پھیلایا۔ لمحوں میں میری جھولی اور پینٹ کی جیبیں بھی بھر گئیں۔ پھر یوں ہوا کہ کوٹھی اور آموں کے باغ کے مالک ریٹائرڈ کرنل صاحب نہ جانے کہاں سے اور کیسے بھری دوپہر میں ہماری تاک میں تھے، نکل آئے۔ وہ فوجیوں والی مخصوص چھڑی لیے ہماری طرف لپکے تو فضل حق نے درخت سے چھلانگ لگا دی اور ایک بازو تڑوا بیٹھا۔ کرنل صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ فوری مرہم پٹی، پلستر وغیرہ کرایا گیا اور یوں ہم دونوں کو گھنٹوں یرغمال بنائے رکھا۔ گھروں میں والدین پریشان رہے کہ ان کے سپوت اسکول سے کیوں نہیں آئے، کہاں رہ گئے؟

کرنل صاحب ہمیں ساتھ لے کر کوریڈور تک آئے، ہمیں پیشگی سرزنش کی کہ بھاگنا مت، جھپٹ کر ایک رجسٹر ڈرائنگ روم سے لے کر ہمارے نام، پتے، ولدیت سمیت اس روز کی تاریخ کے ساتھ درج کیے۔ ساتھ ہی اوراقِ گزشتہ میں سے کچھ نام فخریہ طور پر پڑھتے ہوئے جتلایا:

''میرے ان نادر آموں کے چور آج کے دور کے بڑے بڑے نامور حضرات بھی رہے ہیں۔ یہ دیکھو! یہ سردار محمد ابراہیم خاں کا نام پتا ولدیت دیکھ رہے ہو، یہ آج کل صدر آزاد کشمیر ہیں اور یہ دیکھو! فضیل ہاشمی آج کے دور کے بہت بڑے صحافی ''امروز'' اخبار سے وابستہ ہیں۔''

ہم دونوں ''منک منک دِیدَم، دَم نہ کشیدَم'' کی مثال تھے۔ ''کاٹو تو لہو نہیں بدن میں'' والا معاملہ تھا۔ آخر ہمیں بخیر و خوبی رخصت کیا گیا، مگر اگلے روز تک ہماری شکایت ہیڈ ماسٹر صاحب کو پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے حسبِ معمول دونوں کی گوشمالی کی اور اپنے مخصوص آہنگ میں یہ راگ پھر الاپا:

پڑھے توتا، پڑھے مینا
کبھی انسانوں کے بچے بھی پڑھے ہیں؟

اب آخر میں تصور کی آنکھ سے کام لیتے ہوئے مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر کرنل صاحب کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو وہ یقیناً نئے آم چور کو پرانا رجسٹر دکھاتے ہوئے یہ بتا رہے ہوتے کہ:

''دیکھو! یہ فضل حق تھا، میرے آموں کا چور، جو اپنا ایک بازو بھی تڑوا بیٹھا تھا۔ بڑا ہو کر مشہور سیاست داں بنا، دو تین بار پنجاب اسمبلی کا ممبر بھی منتخب ہوا۔ اور یہ دیکھو! یہ جو ناصر زیدی نامی آم چور طالب علم تھا، آج کا مشہور شاعر، ادیب، اور روزنامہ ''پاکستان'' میں ''بادِ شمال'' کا کالم نویس ہے۔ یہ ملک کے کئی وزیرِ اعظموں کا ''اسپیچ رائٹر'' (تقریر لکھنے والا) بھی رہا۔

پیارے بچو! املی سے لے کر آم کی چوری تک کی داستان سنانے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ بڑا آدمی بننے کے لیے چور ہونا ضروری ہے۔ چوری چھوٹی ہو یا بڑی، چوری چوری ہے۔ چوری شرارتاً بھی بُری بات ہے۔ یاد رکھو! پڑھے توتا، پڑھے مینا...... ☆

پاکستانی پرچم

ضیاءالحسن ضیا

پاک پرچم حسیں اور نرالا
اس سے اپنے وطن میں اُجالا

شان اس سے ہماری عیاں ہے
ہاں ، یہی اپنا قومی نشاں ہے

اس کے باعث ہے عزت ہماری
اس کے دم سے ہی رفعت ہماری

آگے ، آگے بڑھو اس کو لے کر
سبز پرچم ہمارا ہے رہبر

اونچا اونچا ، یہ لہرائے ہر دم
روشنی اپنی برسائے پیہم

اپنے جھنڈے کا چاند اور تارا
ہے ہمارے دلوں کا سہارا

تا قیامت سلامت رہے گا
اس کی اللہ حفاظت کرے گا

ایک مزے دار کہانی

عقل کا سوداگر

ابرار محسن (انڈیا)

کسی شہر میں ایک حکیم رہتا تھا، جو بہت بڑا عالم بھی تھا۔ ایک دن اچانک وہ مر گیا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا، جو اس کے مرنے کے بعد یتیم ہو گیا۔ حکیم ایک غریب آدمی تھا، اس لیے اس نے بیٹے کے لیے وراثت میں کچھ نہیں چھوڑا۔

باپ کے انتقال کے بعد لڑکا بہت فکر مند تھا، کیوں کہ اس کے پاس تو باپ جیسا علم بھی نہیں تھا۔ اچانک ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی اور اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اس نے شہر کے بیچ بازار میں ایک چھوٹی سی دکان کھول لی اور اس پر ایک بورڈ لگا دیا، جس پر تحریر تھا: ''اس دکان میں عقل بیچی جاتی ہے۔''

سب لوگ بہت حیران تھے۔ وہ بورڈ دیکھتے اور کہتے:

''یہ کیا چیز ہے؟''

''عقل کی دکان؟''

''کیا پاگل پن ہے۔''

لوگوں کی حیرت اُس وقت اور بڑھ گئی، جب وہ لڑکا گاہکوں کو بلانے کے لیے آوازیں لگانے لگا۔

''آجاؤ، آجاؤ! سستے داموں میں عقل خرید لو۔ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔ عقل کا سودا ہے۔''

سب لوگ ہنستے اور اسے پاگل سمجھتے۔ اس کی دکان پر ایک بھی گاہک نہیں آتا۔ اتنا تو سبھی جانتے تھے کہ عقل بازار میں خریدی یا بیچی نہیں جاتی۔ کئی دن بیت گئے، لیکن اس لڑکے نے ہمت نہیں ہاری۔
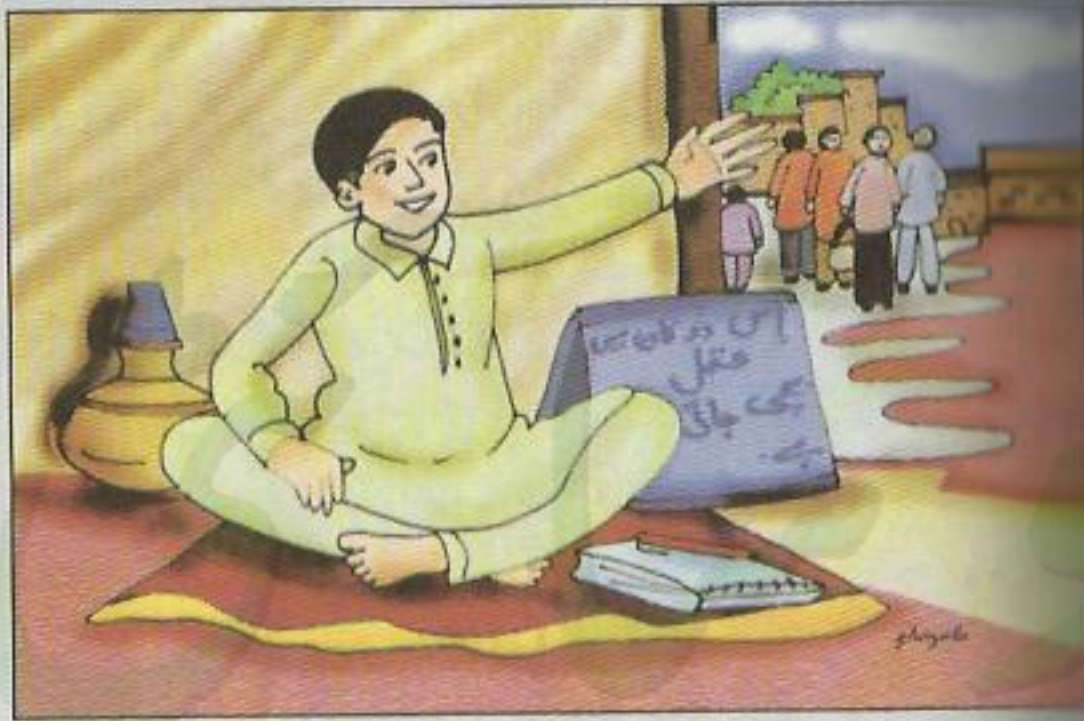
ایک دن ایک مال دار تاجر کے لڑکے کا اِدھر سے گزر ہوا۔ وہ کچھ بے وقوف سا تھا۔ اس نے حکیم کے لڑکے کو آواز لگاتے دیکھا تو وہ قریب آ کر پوچھنے لگا: ''بھیا! جو چیز تم بیچ رہے ہو، وہ کیا سیر ہے؟''

''میاں! عقل وزن سے نہیں بیچی جاتی۔ تم کتنی رقم کی عقل خریدنا چاہتے ہو؟'' حکیم کے لڑکے نے کہا۔

تاجر کے لڑکے نے ایک روپیہ دیتے ہوئے کہا: ''اتنے کی۔''

دکان دار نے ایک کاغذ پر لکھا: ''جب دو لوگوں میں جھگڑا ہوتے دیکھو تو دور ہی رہو۔''

جب وہ لڑکا گھر آیا تو باپ کو بتایا کہ وہ صرف ایک روپیہ میں عقل خرید کر لایا ہے۔

''کیا بک رہا ہے، بھلا عقل بھی خریدی جاتی ہے؟'' باپ نے ناراض ہو کر کہا۔

لڑکا بولا: ''میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں، یہ دیکھو! میری جیب میں ہے۔'' لڑکے نے وہ کاغذ جیب سے نکال کر باپ کو دیا۔

تاجر نے کاغذ پر لکھی تحریر پڑھی اور چلّا کر بولا: ''ارے، یہ تو سب جانتے ہیں کہ لڑائی جھگڑے سے دور رہنا چاہیے۔ اس کے لیے ایک روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

تاجر غصے میں بازار گیا اور ''عقل کی دکان'' پر جا کر اس لڑکے پر بگڑا۔

''تُو دھوکے باز ہے، ٹھگ ہے۔ میرے بیٹے کو ٹھگ لیا۔ لا روپیہ واپس کر۔''

لڑکا بولا: ''میں نے تمھارے لڑکے کے ہاتھ عقل بیچی ہے۔ روپیہ چاہیے تو عقل واپس کرو، جو خریدی ہے۔''

تاجر نے وہ کاغذ لڑکے کو لوٹا دیا، جس پر وہ تحریر لکھی تھی۔

لڑکے نے کہا: ''یہ تو صرف کاغذ کا ٹکڑا ہے، عقل کہاں ہے؟ جو میں نے بیچی ہے۔''

اس تکرار کے دوران کافی لوگ جمع ہو گئے اور سب نے لڑکے کی حمایت کی۔ تاجر نے گھبرا کر کہا: ''میں عقل کیسے واپس کروں؟''

لڑکے نے تاجر سے کہا: ''تمھیں یہ لکھ کر دینا ہوگا کہ تمھارا لڑکا میری بیچی ہوئی عقل کا استعمال نہیں کرے گا اور جہاں بھی دو لوگ لڑ رہے ہوں، وہاں تمھارا لڑکا موجود رہے گا۔''

تاجر نے یہ تحریر لکھ کر اس لڑکے کو دے دی اور اس سے ایک روپیہ لے کر چلا گیا۔

اب ہوا یہ کہ وہاں کے بادشاہ کی دو رانیاں تھیں، جو آپس میں ہمیشہ لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ ان رانیوں کی ایک ایک نوکرانی تھی۔ ان دونوں کی بھی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ دونوں رانیوں نے اپنی اپنی نوکرانیوں کو بازار سے کدو خریدنے کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں ایک ہی وقت ایک ہی دکان دار کے پاس پہنچیں۔ دکان دار کے پاس ایک ہی کدو بچا تھا۔

''اسے میں لوں گی۔'' ایک نوکرانی بولی۔

''نہیں پہلے میں یہاں پہنچی تھی، اسے میں لوں گی۔'' دوسری نے بھی ضد پکڑ لی۔

دونوں میں خوب جھگڑا ہونے لگا۔ پہلے ان دونوں نے ایک دوسرے کو خوب کوسا، پھر مارنا پیٹنا اور نوچنا شروع کر دیا۔

جب ان دونوں میں مار کٹائی ہو رہی تھی تو تاجر کے بیٹے کا بھی وہاں پہنچنا ضروری تھا، کیوں کہ تاجر یہ تحریر دے چکا تھا کہ اس کا بیٹا جھگڑے کی جگہ موجود رہے گا۔ ایک نوکرانی نے تاجر کے بیٹے سے کہا: ''تو میرا گواہ ہے کہ اس عورت نے مجھے مارا۔''

''تو میرا گواہ ہے کہ اس نے میرے بال نوچے۔'' دوسری نے غصے سے کہا۔ اس دوران دکان دار، دکان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں نوکرانیوں نے اپنی اپنی رانیوں سے ایک دوسرے کے خلاف خوب نمک مرچ لگا کر شکایتیں کیں۔ رانیوں نے بادشاہ کے پاس جا کر دہائی دی۔ دونوں رانیوں نے تاجر کے بیٹے کو اپنا اپنا گواہ بنا کر دربار میں پیش ہونے کا حکم دیا اور دونوں ہی نے دھمکیاں دیں کہ اگر تو نے میرے حق میں گواہی نہیں دی تو تیرا سر کٹوا دوں گی۔

تاجر اور اس کا بیٹا گھبرا گئے۔ ایک ہی آدمی دو لوگوں کا گواہ کیسے بن سکتا تھا۔ وہ جس کے بھی حق میں گواہی دیتا، دوسری اس کا سر کٹوا دیتی۔ بیٹے کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ اچانک تاجر کو عقل کے سوداگر کی یاد آگئی۔

''وہی مجھے اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ بتائے گا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

حکیم کے بیٹے نے اس کی بات غور سے سنی اور کہا: ''میں عقل کا سوداگر ہوں اور تمھارے بیٹے کے بچنے کا راستہ بتا سکتا ہوں، لیکن اس کے لیے تم کو پانچ سو روپے دینا ہوں گے۔''

تاجر نے فوراً پوری رقم گن کر دے دی۔ حکیم کے لڑکے نے رقم کی تھیلی لے کر کہا: ''جب تمھارا بیٹا محل میں جائے تو پاگل بن جائے۔ اس طرح اس کی جان چھوٹ سکتی ہے۔''

اگلے دن جب معاملہ دربار میں بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور تاجر کا لڑکا گواہی کے لیے حاضر ہوا تو وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔

بادشاہ چلایا: ''یہ کس پاگل کو گواہ بنا کر لے آئے ہو۔ نکالو اسے یہاں سے۔''

تاجر کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس نے سب کو بتایا کہ حکیم کے بیٹے نے عقل بیچ کر میرے

بیٹے کی جان بچائی۔

اب تاجر کو نئی فکر نے گھیر لیا۔ اس نے سوچا: اگر بادشاہ کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی کہ اس کے بیٹے نے پاگل پن کا ڈھونگ رچا کر اسے بے وقوف بنایا ہے تو وہ اس کا سر کٹوا دے گا۔ اس نے بیٹے سے کہا: ''تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ جب بھی بادشاہ اچھے موڈ میں ہو تو اسے سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ ہو سکتا ہے سچائی سن کر وہ تم کو معاف کر دے۔''

بیٹے کی سمجھ میں باپ کی بات آگئی اور وہ اسی وقت بادشاہ کے دربار میں گیا اور عرض کیا: ''حضور! جان کی امان پاؤں تو آپ کو ایک سچی بات بتاؤں؟''

بادشاہ نے حیرت سے کہا: ''ہاں، ہاں بلا خوف کہو۔ سچ بولنے میں کیسا خوف۔''

لڑکے نے بادشاہ کو پوری بات سچ سچ بتا دی۔ اس دن بادشاہ بہت خوش تھا۔ لڑکے کی بات سن کر وہ بہت ہنسا اور بولا: ''او لڑکے! تو نے تو ہمیں خوب الو بنایا۔ جا بھاگ جا اور ہاں، میں اس عقل کے سوداگر سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسے محل میں بھیج دے۔''

حکیم کے لڑکے کو جب پتا چلا تو وہ ڈرتے ڈرتے محل میں آیا۔ اس نے بادشاہ کے قدموں میں گر کر دہائی دی: ''سرکار! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تو اس کی معافی چاہتا ہوں، میری جان بخش دیں۔ زندگی بھر آپ کا غلام بن کر رہوں گا۔''

بادشاہ زور سے ہنسا اور بولا: ''او لڑکے! تو عقل کا سوداگر ہے، تھوڑی عقل مجھے بھی بیچ دے۔''

بادشاہ کی بات سن کر لڑکے کی کچھ ہمت بندھی اور اس نے کہا: ''سرکار! اگر ایک بادشاہ کو عقل بیچوں گا تو اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہوگی۔''

بادشاہ نے اسی وقت رقم اس کے حوالے کی اور کہا: ''میں نے قیمت ادا کردی، اب مجھے عقل دے۔''

لڑکے نے کہا: ''کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس پر غور کرلیں۔ کام کرنے میں جلدی نہ کریں۔''

کچھ عرصے بعد وزیر نے ایک حکیم سے دوا بنوا کر اس کا پیالہ بادشاہ کو پیش کرتے ہوئے کہا: ''اسے جلدی سے پی لیں۔''

بادشاہ کو اس لڑکے کے الفاظ یاد آگئے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اس پر غور کرلیں۔ کام کرنے میں جلدی نہ کریں۔''

بادشاہ نے وزیر کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں ڈوبا تھا۔ بادشاہ کی تیز نظروں کی تاب نہ لا کر وزیر اس کے پیروں میں گر گیا اور کہنے لگا: ''حضور! آپ کا شبہ درست ہے۔ دوا میں زہر ملا ہوا ہے۔ میں نے آپ کو مارنے کی سازش چھوٹی رانی کے کہنے سے کی ہے۔''

بادشاہ نے چھوٹی رانی، وزیر اور حکیم کو دوا کے چار چار گھونٹ پینے کے لیے کہا۔ وہ بہت گڑگڑائے، لیکن بادشاہ نے ایک نہ سنی۔ دوا پی کر تینوں مر گئے۔ بادشاہ نے عقل بیچنے والے کو اپنا وزیر بنالیا۔

☆

بونوں کا سردار

ترجمہ : افراح خان

کسی گاؤں میں ایک بونا رہتا تھا، جو نہایت بد اخلاق اور کنجوس تھا۔ وہ بونوں کے گاؤں کا سردار تھا۔ اس کا نام جیمس تھا۔ ایک بار بونوں کے علاقے کا تھانے دار رات کو جیمس سے ملنے آیا۔ اس رات ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا، جس کی وجہ سے تھانے دار کو راستہ تلاش کرنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ غلط راستے پر چل پڑا۔ جب وہ یہ دیکھنے کے لیے اپنی بگھی سے باہر نکلا کہ وہ کہاں پہنچا ہے تو کیچڑ کی وجہ سے پھسل کر گر گیا۔ اسے بہت غصہ آیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر وہ جیمس کے گھر پہنچ ہی گیا۔ اس نے جیمس سے شکایت کی اور بتایا کہ راستے میں اسے کتنی دِقت کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر کہا: ''تم اپنے گھر کے سامنے ایک نیا لیمپ پوسٹ کیوں نہیں لگواتے، تا کہ

لوگوں کو پتا چلے کہ تم کہاں رہتے ہو اور لوگ میری طرح راستے سے نہ بھٹکتے نہ پھریں۔''

جیمس نے جواب دیا: ''کیوں نہیں، میں ضرور لگواؤں گا۔'' اور دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس کے گاؤں والے اپنے پیسوں سے اسے ایک عمدہ لیمپ پوسٹ لگوا کر دیں گے اور اسے اپنی جیب سے کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ وہ غریب لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے پیسے ہتھیا لیتا تھا، کیوں کہ وہ بے چارے اس سے ڈرتے تھے اور اس کے ظالمانہ سلوک کی

وجہ سے اس کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔

اگلے دن اس نے گاؤں میں ایک حکم نامہ بھجوایا کہ گاؤں کے بونے مل کر میرے گھر کے پاس ایک اعلا اور عمدہ لیمپ پوسٹ لگا دیں، تا کہ اگر اگلی بار جب تھانے دار رات کو اس سے ملنے آئے تو غلط راستے پر نہ چلا جائے۔

''کیا آپ اس کے لیے ہمیں رقم دیں گے؟'' بونوں نے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' جیمس نے جواب دیا: ''ایسا سردار بننے کا کیا فائدہ جو مفت کی چیزیں بھی اپنے لیے نہ لے سکے۔'' بے چارے بونوں کو معلوم تھا کہ مزید کچھ کہنے کا فائدہ نہ ہوگا، مگر انھیں بہت غصہ آیا۔

''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جیمس کو ظلم کرنے سے روکیں۔'' وہ سب آپس میں باتیں کرنے لگے: ''وہ ہمیشہ ہم سے توقع رکھتا ہے کہ ہم ہر چیز کے لیے رقم دیں اور وہ کبھی ایک پیسہ بھی نہیں دیتا۔''

مجبوراً انھوں نے لیمپ پوسٹ بنانا شروع کیا۔ وہ نہایت خوب صورت تھا۔ بونے بہت نفاست پسند اور اچھے طریقے سے کام کرنے کے عادی تھے۔ چاہے وہ کام کسی ایسے شخص کے لیے ہی کیوں نہ کر رہے ہوں جو انھیں پسند نہ ہو۔

جیمس نے بونوں کو حکم دیا کہ وقت پر لیمپ پوسٹ لگا دیا جائے، کیوں کہ تھانے دار اس سے دوبارہ ملنے آنے والا ہے۔ بونوں کو غصہ تو بہت آیا، مگر ایک ترکیب ان کی سمجھ میں آئی۔ انھوں نے سوچا کہ وہ صرف اتنا ہی کریں گے، جتنا جیمس نے کہا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کریں گے، یعنی لیمپ پوسٹ لگا تو دیں گے، مگر اس کو جلائیں گے نہیں۔ چناں چہ وہ لیمپ پوسٹ بنا کر اسے جیمس کے گھر کے دروازے کے باہر لگا آئے۔ جیمس اپنے گھر کی کھڑکی میں سے ان کو یہ کام کرتا ہوا دیکھ رہا تھا، مگر اس نے یہ تک گوارا نہ کیا کہ وہ باہر آ کر ان کا شکریہ ہی ادا کر دے۔

اس رات تھانے دار آیا تو دیکھا کہ وہاں بہت اندھیرا تھا، کیوں کہ کسی نے لیمپ پوسٹ جلایا ہی نہیں تھا۔ تھانے دار کو بہت غصہ آیا اور خاص طور پر اس وقت تو وہ غصے سے لال ہو گیا، جب راستے میں اس کی بگھی گڑھے میں پھنس گئی۔ تھانے دار بگھی سے باہر نکلا تو اندھیرے میں اس کا پاؤں کانٹے والے چوہے (خارپشت) پر پڑ گیا، جس سے اسے بہت تکلیف ہوئی۔

جب جیمس کو معلوم ہوا کہ لیمپ نہیں جلایا گیا تو اسے بہت غصہ آیا۔ تھانے دار نے اسے

بتایا کہ کیسے اس کی بگھی راستے میں پھنس گئی اور اسے راستہ نظر نہ آیا، کیوں کہ اس نے لیمپ نہیں جلایا تھا۔ جیمس نے نوکر کو بلایا اور کہا کہ ان سب بونوں کو میرے سامنے حاضر کرو۔ جلد ہی بونے وہاں آگئے۔ جیمس نے غصے سے ان سے پوچھا کہ تم نے میرا حکم کیوں نہیں مانا؟

''ہم نے آپ کا حکم مانا ہے سردار!'' بونوں نے جواب دیا: ''آپ نے ہمیں حکم دیا کہ لیمپ پوسٹ لگا دیں تو ہم نے لگا دیا ہے، لیکن آپ نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس میں تیل بھی ڈالنا ہے۔''

''بے وقوفو!'' جیمس غصے سے چلّایا: ''اب میری بات غور سے سنو۔ تھانے دار صاحب کل رات دوبارہ آئیں گے، اس لیے لیمپ میں تیل موجود ہونا چاہیے۔ سن لیا تم نے؟''

''جی ہاں۔'' بونوں نے جواب دیا اور باہر نکل آئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ دوبارہ اتنا ہی کریں گے، جتنا انھیں جیمس نے کہا ہے۔ اگلے دن انھوں نے لیمپ میں تیل تو ڈال دیا، لیکن لیمپ کو جلایا نہیں۔ جب رات کو تھانے دار آیا تو وہ دوبارہ راستے سے بھٹک گیا۔ وہ بگھی سے نکلا تو اندھیرے میں اسے پتا ہی نہ چلا کہ سامنے کیچڑ بھرا تالاب ہے۔ اس کے کپڑے گندے ہوگئے۔ اسے اتنا شدید غصہ آیا کہ جب وہ جیمس کے گھر پہنچا تو اس کے منھ سے الفاظ ہی نہ نکل سکے۔ جیمس نے دوبارہ بونوں کو بلا کر پوچھا کہ انھوں نے حکم کیوں نہیں مانا؟

''ہم نے آپ کا حکم مانا ہے۔'' بونوں نے جواب دیا۔ آپ نے ہمیں تیل ڈالنے کا کہا، مگر لیمپ جلانے کا نہیں کہا تھا۔''

''اب کل لیمپ جلا ہونا چاہیے۔'' جیمس غرایا۔

بعد میں بونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اگلی رات کو لیمپ جلائیں گے ضرور، مگر اسے تھوڑی دیر بعد بجھا دیں گے، کیوں کہ جیمس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ جلتا رہے۔ چناں چہ اگلی رات ایک بونے نے لیمپ جلایا اور پانچ منٹ بعد اسے بجھا دیا۔ پھر سب مل کر تھانے دار کا انتظار کرنے

لگے۔ اس بار تھانے دار بے چارے کو پوری اُمید تھی کہ لیمپ جلا ہوا ہوگا۔ اس خیال کے پیش نظر وہ یہ سوچ کر چلتا رہا کہ روشنی نظر آئے گی، مگر کافی دیر ہوگئی روشنی نظر نہ آئی۔ معلوم ہوا کہ وہ گاؤں سے تین میل آگے نکل گئے ہیں، انھیں واپس مڑنا پڑے گا۔ اس بار تھانے دار کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔

جیمس کے گھر پہنچ کر اس نے اتنی زور زور سے جیمس کو ڈانٹا کہ اس کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ جیمس نے بونوں کو بلا کر وجہ پوچھی تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ آپ نے ہمیں لیمپ جلانے کا حکم دیا تو ہم نے جلا دیا، مگر تیل مہنگا ہونے کی وجہ سے پانچ منٹ بعد بجھا دیا گیا، کیوں کہ ان کو ساری رات لیمپ جلانے کے لیے نہیں کہا گیا تھا۔ جیمس کو اتنا شدید غصہ آیا کہ وہ پورے ایک منٹ تک کچھ نہ بول سکا۔ آخر وہ چلّایا: ''کل تم لوگ لیمپ میں تیل ڈال کر اسے ساری رات جلتا رہنے دو گے۔ اس بار کوئی ناسمجھی نہیں ہونی چاہیے۔ سمجھے تم لوگ!'' بونے وہاں سے چلے گئے۔ کافی دیر تک سوچتے رہے کہ کوئی طریقہ ہو، جس کی مدد سے وہ جیمس کے ساتھ پھر کوئی چال چل سکیں، مگر ان کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہ آئی۔ پھر ان میں سے ایک بونے کو ترکیب سوجھی: ''جیمس نے یہ تو نہیں بتایا نا کہ لیمپ کہاں ہونا چاہیے۔ جب رات ہوگی تو ہم اس کے گھر کے سامنے سے لیمپ اُٹھا کر کہیں اور رکھ دیں گے۔ اس کو ہم ساری رات جلتا رہنے دیں گے، مگر وہ اپنی صحیح جگہ پر تو نہیں ہوگا۔'' وہ مسکرایا۔ دوسرے بونوں نے سوچا کہ یہ تو بہت زبردست ترکیب ہے۔ چناں چہ رات ہوئی تو وہ خاموشی سے اس جگہ گئے، جہاں لیمپ پوسٹ تھا اور اسے جا کر گاؤں کے دوسرے کونے میں لگا دیا۔

جلد ہی تھانے دار وہاں آیا۔ جب اس نے روشنی دیکھی تو وہ اپنی بگھی رکوا کر نیچے اُتر آیا، مگر یہ کیا؟ وہاں تو جیمس کا گھر ہی موجود نہ تھا۔ اس نے ایک چھوٹے سے بونے کو روکا اور اس سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا۔

"اوہ، جیمس تو گاؤں کے دوسرے کونے میں رہتا ہے۔" بونے نے جواب دیا۔

"اوہ خدایا! اب میں کیا کروں؟" تھانے دار پریشان ہو کر بولا: "یہ کیا بدتمیزی ہے! آج تو میرے ساتھ بگھی میں کمشنر صاحب بھی موجود ہیں اور آج رات بھی ہمیشہ کی طرح راستہ کھونا نہیں چاہتا۔ میں نے جیمس سے کہا بھی تھا کہ وہ لیمپ پوسٹ کو اپنے گھر کے دروازے کے سامنے جلا ہوا رکھے، تاکہ مجھے راستہ معلوم ہو۔"

جب چھوٹے بونے کو معلوم ہوا کہ کمشنر صاحب بھی ساتھ ہیں تو وہ پریشان ہوا۔ اس نے باقی بونوں کو ساری صورتِ حال بتائی۔ یہ سن کر جلدی جلدی انھوں نے لیمپ پوسٹ اُٹھایا اور اسے بگھی کے آگے لے کر چلتے رہے تاکہ راستہ دکھا سکیں۔ انھوں نے جیمس کے گھر کے دروازے کے سامنے لیمپ پوسٹ رکھا اور کمشنر صاحب کا استقبال کیا۔

"کتنے اچھے اور خوش اخلاق لوگ ہیں۔" کمشنر صاحب نے خوش ہو کر کہا: "جیمس بہت خوش قسمت ہے کہ اس کے گاؤں کے اتنے اچھے لوگ ہیں۔"

جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو تھانے دار نے جیمس کو بتایا کہ اس کے گھر کے باہر کوئی لیمپ موجود نہیں تھا۔ تھانے دار نے بہت سختی سے اس سے وجہ پوچھی۔ جیمس کو یہ جان کر بہت غصہ آیا اور اس نے بونوں کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔

"تم نے پھر میری بات نہیں مانی؟" وہ چلّایا۔

"ہم نے نافرمانی نہیں کی۔" بونوں نے جواب دیا: "آپ نے ہمیں لیمپ جلانے کا اور اسے ساری رات جلتے رہنے کا کہا تھا، مگر یہ نہیں کہا کہ وہ آپ کے گھر کے باہر ہی رہے۔"

جیمس غصے سے پاگل ہو گیا اور اول فول بکتا رہا۔ اس نے نہایت بدتمیزی اور غیر مہذب طریقے سے بے چارے بونوں کو بُرے الفاظ میں ڈانٹا۔ کمشنر صاحب یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے جیمس کو خاموش کروایا اور بونوں سے ماجرا پوچھا۔

جب کمشنر صاحب کو ساری بات معلوم ہوئی کہ ہر رات جیمس کے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے تو وہ بہت حیران ہوئے۔

کمشنر صاحب نے کہا: "تمھارے گاؤں کے لوگ تو بہت اچھے اور بااخلاق ہیں۔ وہ سارے راستے میرے لیے لیمپ اُٹھا کر چلتے رہے، لیکن کیا یہ تمھارا لیمپ ہے جیمس! اور کیا تم نے اس کے پیسے بھی دیے ہیں؟"

"معاف کیجیے گا، کمشنر صاحب!" ایک بونے نے آگے آ کر کہا: "جیمس نے اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ ہم سب نے مل کر قیمت ادا کی ہے۔ جیمس جو بھی چیز چاہتا ہے، ہم سے زبردستی منگوا لیتا ہے اور پیسے کبھی نہیں دیتا۔ اگر اس نے خود لیمپ کی قیمت ادا کی ہوتی تو ہم اس کو یہ سبق نہ سکھاتے۔"

"کیا تم غریب ہو؟" کمشنر صاحب نے جیمس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" جیمس نے خوف سے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

کمشنر صاحب نے کہا: "تو پھر تم نے لیمپ کی قیمت خود ادا کیوں نہیں کی؟ مجھے تمھاری کئی دوسری شکایات بھی ملی ہیں اور میں یہی دیکھنے آیا تھا کہ یہ سچ ہے یا نہیں۔ اب مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ شکایات درست ہیں۔ تمھارے گاؤں کے لوگوں نے تمھارے ساتھ جیسا سلوک کیا، تم اسی کے مستحق ہو۔ تم اب اس گاؤں سے نکل جاؤ۔ میں کسی اور کو یہاں کا سردار بناؤں گا۔"

جیمس کو وہاں سے جانا پڑا۔ اس کے جانے کے بعد سب ہنسی خوشی رہنے لگے اور جہاں تک لیمپ کی بات ہے تو وہ نئے سردار کے گھر کے دروازے کے باہر ہر رات جلتا رہتا، کیوں کہ تیل کے پیسے سردار پیشگی ادا کر دیتا تھا۔ نیا سردار بہت مہربان اور اچھا تھا۔ گاؤں والوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتا، کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ کوئی غلط کام کرے گا تو گاؤں والے اسے بھی نکالنے کے لیے کوئی ترکیب سوچ لیں گے۔ ☆

جگنو

عباس العزم

پیارا جگنو ، پیارا جگنو
پیار گگن کا تارا جگنو

ننھا منا ، سیدھا سادہ — رات کی دنیا کا شہزادہ

اک ننھا سا دیپ جلائے — جھلمل جھلمل کرتا جائے

ہر جانب اس سے اُجیالا — رات کی رونق ہے دوبالا

جلتا ، بجھتا ، اُڑتا جائے — اپنا سُندر روپ دکھائے

یہ جگنو ، یہ پیارا جگنو
ننھا سا یہ تارا جگنو

ایک پرانی کہانی

گائے کی سہیلی

مسعود احمد برکاتی

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک گائے جنگل میں دوسرے جانوروں کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ شیرنی کی بڑی اچھی سہیلی تھی۔ گائے کا ایک بچھڑا تھا۔ شیرنی کا بھی ایک بچہ تھا۔ یوں کہ گائے اور شیرنی میں دوستی تھی، اس لیے دونوں کے بچے بھی ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔ سارا دن ساتھ کھیلا کرتے۔

گائے کا بچھڑا بہت نیک تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں کا حکم مانتا اور صاف ستھرا رہتا، لیکن شیرنی کا بچہ اس کے برعکس تھا۔ وہ کبھی اپنی ماں کی بات نہیں سنتا تھا، ہر وقت شرارت کرتا اور گندہ رہتا۔ وہ بڑا ہی بے پروا تھا۔ ایک دن شیرنی کو ایک سفر پر جانا پڑا۔ اس کا بچہ ابھی نہیں چل سکتا تھا، اس لیے اس نے بچے کو گائے کی حفاظت میں چھوڑ دیا۔ گائے نے دونوں بچوں سے کہا: ”چپ چاپ کھیلتے رہو، شور نہ مچانا۔“

جنگل میں ان کے گھر کے پاس ایک کنواں تھا، جس میں بہت سا پانی تھا۔ دونوں بچوں کی ماؤں نے انھیں یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ کنویں کے قریب مت کھیلنا۔ گائے نے کہا تھا: ”اگر تم کنویں کے قریب کھیلو گے تو اس کا پانی گندہ ہو جائے گا اور مجھ سے گندہ پانی نہیں پیا جاتا۔“

شیرنی نے کہا تھا: ”اگر تم کنویں کے قریب کھیلو گے تو اس میں گر کر مر جاؤ گے، ہم تمھاری کچھ بھی مدد نہیں کر سکیں گے، کیوں کہ کنویں میں بہت گہرا پانی ہے۔“

گائے کا بچھڑا اپنی ماں کی نصیحت پر کان دھرتا اور کنویں کے قریب نہیں جاتا تھا، لیکن شیرنی کا بچہ بڑا نافرمان تھا۔ وہ کہتا تھا: ”میری ماں کنویں کے قریب جانے سے منع کرتی ہے، اس لیے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔“

اس مرتبہ بھی اس نے یہی کیا۔ گائے کے بچھڑے نے اسے منع کیا اور کہا: ”کنویں

کے قریب نہ جاؤ۔ تمھاری اور میری ماں نے منع کیا تھا، واپس آجاؤ۔‘‘

’’مجھے کوئی پروا نہیں کہ میری یا تمھاری ماں نے کیا کہا تھا۔‘‘ یہ کہہ کر وہ کنویں کے چاروں طرف چکر کاٹنے لگا۔

گائے کا بچہ چلّایا: ’’تم کنویں میں گر جاؤ گے۔‘‘ یہ کہہ کر وہ شیرنی کے بچے کے پیچھے دوڑا، تاکہ اسے روکے۔ اس نے شیرنی کے بچے کو پکڑ کر کھینچا اور کنویں سے دور لے جانے کی کوشش کی۔ شیرنی کے بچے نے ہاتھا پائی کی اور گائے کے بچے کے ہاتھ میں کاٹ کھایا۔ شیر کا بچہ اس کی پکڑ میں نہ آیا۔ گائے کا بچہ مجبور ہو گیا۔ آخر شیرنی کا بچہ کنویں کے گرد چکر لگاتے لگاتے کنویں میں گر پڑا اور پانی میں ڈوب کر مر گیا۔ بچھڑے نے اسے بہت دیر تک آوازیں دیں، لیکن اب کوئی فائدہ نہ تھا۔ اب تو وہ بہت گھبرایا۔

بچھڑا سوچنے لگا کہ جب شیرنی واپس آئے گی اور اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس کا بچہ کنویں میں گر گیا ہے تو وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے اسے دھکا دیا ہے۔ اگر میں کہوں گا کہ وہ خود شرارت کر رہا تھا، تب بھی وہ میرا ہی قصور بتائے گی۔ اب میں کیا کروں؟ وہ جلدی سے اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے سارا قصہ کہہ سنایا۔

گائے نے کہا: ’’اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں۔ میں جانتی ہوں، وہ بڑا شریر تھا، لیکن اس کی ماں سنے گی تو لازمی خفا ہو گی۔ ہمیں اس سے پہلے ہی یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ آؤ، میری دُم پکڑ لو اور جتنا تیز دوڑ سکتے ہو، دوڑو۔‘‘

بچے نے گائے کی دُم اپنے منھ میں دبا لی اور دونوں نے پوری قوت سے جنگل میں بھاگنا شروع کر دیا۔ بچے کی ٹانگیں کم زور تھیں، اس لیے وہ جلد ہی تھک گیا اور اس نے اپنی ماں سے کچھ دیر آرام کرنے کی خواہش کی، لیکن گائے نے کہا: ’’نہیں، ٹھیرو مت، ورنہ شیرنی ہمیں پکڑ کر کھا جائے گی، دوڑتے رہو۔‘‘

تھوڑی دور اور دوڑنے کے بعد بچھڑے میں طاقت نہ رہی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کی ماں نے کہا: ’’ہمیں کسی جگہ پناہ لے لینی چاہیے۔ اُٹھو، تلاش کرتے ہیں۔ شاید کوئی ہمدرد مل جائے۔‘‘

بچھڑا بڑی مشکل سے کھڑا ہوا اور دونوں ماں بیٹے کسی ہمدرد کی تلاش میں چل پڑے۔ اتنے میں انھیں ایک زرافہ نظر آیا۔ زرافے نے کہا: ’’کیوں بوا گائے! خیر تو ہے؟ کیا معاملہ ہے؟ آپ اپنے ننھے بچے کو ساتھ لیے ادھر کہاں آنکلیں؟‘‘

گائے نے کہا: ’’مہربانی کر کے ہماری مدد کرو زرافہ بھائی! میں سب قصہ تمھیں سنا دوں گی۔‘‘

زرافے نے اس کا قصہ سن کر جواب دیا: ’’اچھی بات ہے۔ فکر نہ کرو۔ مجھے شیرنی کا کوئی ڈر نہیں، میرے پاس ٹھیرو۔ کھاؤ پیو، جو جی چاہے کرو۔ میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ اگر شیرنی آئی بھی تو میں اس کے ایک لات رسید کر دوں گا۔ میں شیروں سے اس طرح لڑتا ہوں۔ ایک لات لگاتا ہوں اور ان کی طبیعت درست ہو جاتی ہے۔ گھبراؤ نہیں، میں آپ کا دوست ہوں۔‘‘

گائے یہ تو جانتی تھی کہ سب زرافے لات بڑی زور سے مارتے ہیں۔ اسے کچھ اطمینان ہوا اور تھوڑا بہت کھا پی کر اپنے بچے کو لے کر سو گئی۔

اسے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ زرافے نے درختوں میں کچھ شور سنا۔ شیرنی گائے کی تلاش میں دہاڑتی چلی آ رہی تھی۔ زرافے نے گائے کو جگا کر کہا: ’’شیرنی آ پہنچی ہے، آپ جائیں۔‘‘

گائے جاگ کر کھڑی ہوئی اور بولی: ’’کیا کہا تم نے؟‘‘

زرافے نے پھر کہا: ’’شیرنی آ رہی ہے، آپ چلی جائیں۔ یہاں سے چلی جائیں۔‘‘

گائے نے جواب دیا: ’’لیکن میرا تو خیال تھا، تم ہماری حفاظت کرو گے اور ہم

کچھ دن یہاں رہ سکیں گے۔''

زرافے نے کہا: ''ارے نہیں، آپ یہاں نہیں ٹھیر سکتیں۔ میں شیرنی سے نہیں لڑنا چاہتا۔ آپ اس کے آنے سے پہلے چلی جائیں، ورنہ میری خیر نہیں۔''

گائے نے اپنے بچے سے کہا: ''آؤ، میری دُم پکڑ لو۔ ہمیں پھر بھاگنا پڑ گیا۔ اب کوئی واقعی سچا دوست تلاش کریں گے۔''

بچے نے اپنی ماں کی دُم کو پکڑ لیا اور دونوں جنگل کے اونچے اونچے درختوں کے بیچ میں دوڑنے لگے۔ بچہ تھکنے ہی والا تھا کہ انھیں سڑک پر ایک بھینس کھڑی نظر آئی۔ بھینس نے بھی وہی سوالات پوچھے، جو زرافے نے پوچھے تھے اور اس کی طرح مدد کرنے کا وعدہ بھی کیا اور دعوا کیا کہ وہ شیرنی کو مار بھگائے گی۔ اسے اپنے سینگوں پر بہت ناز تھا۔

گائے بے چاری نے تھوڑا بہت کھایا پیا اور اپنے بچے کو لے کر سو گئی، لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شیرنی پھر آ پہنچی۔ بھینس نے گھبرا کر گائے کو بیدار کیا اور زرافے کی طرح بزدلی دکھائی اور گائے اور اس کے بچے کو اپنے گھر سے بھگا دیا۔

گائے بے چاری اپنے بچے کو ساتھ لے کر پھر کسی سچے دوست کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد انھیں ایک ہاتھی ملا۔ گائے نے اسے اپنا قصہ سنایا۔ ہاتھی نے دعوا کیا کہ سب شیر اس سے کانپتے ہیں، لہٰذا وہ گائے کو پناہ دے گا۔ اسے اپنی سونڈ پر بہت ناز تھا اور بڑے بڑے دانتوں پر بھی۔ گائے بڑی خوش ہوئی اور اپنے بچے کو لے کر سو گئی۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ شیرنی یہاں بھی آ دھمکی اور ہاتھی اس سے گھبرا گیا۔ وہ اپنے تمام وعدوں سے پھر گیا اور گائے کو بھگا دیا۔ گائے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ اور اس کا بچہ بہت تھک گئے تھے۔ دوڑتے بھاگتے جنگل بھی ختم ہو گیا اور وہ کھیتوں میں نکل آئے۔ اب انھیں شیرنی کا اور بھی زیادہ خوف تھا کہ وہ ضرور پکڑ لے گی۔ اتنے میں انھیں سرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی چڑیا نظر آئی۔ اس نے کہا: ''ڈرو مت، میں

چھوٹی ضرور ہوں، لیکن میں تمھاری سچی سہیلی ثابت ہوں گی۔ میں ان کی طرح نہیں ہوں جو گپیں بہت مارتے ہیں، لیکن کام کچھ بھی نہیں کرتے۔ بیٹھ جاؤ اور دیکھو، میں کیا کرتی ہوں۔ مجھے صرف ایک پیالہ دودھ کی ضرورت ہے۔''

گائے نے چڑیا کو ایک پیالہ دودھ دے دیا۔ چڑیا گئی اور کیلے کا پھول لے آئی۔ اس نے یہ پھول دودھ کے اوپر لٹکایا اور اس میں سے چند قطرے اس کے سرخ رس کے ٹپکائے۔ دودھ خون کی طرح سرخ ہو گیا۔ اب سب مل کر شیرنی کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

شیرنی جلد ہی آ گئی۔ چڑیا اُڑ کر اس کے سر پر جا پہنچی اور اس کی آنکھوں پر چونچیں مارنے لگی۔ شیرنی کو بڑا غصہ آیا۔ وہ دہاڑنے لگی اور چڑیا سے کہا: ''دیکھو، مجھے تکلیف نہ دو۔''

چڑیا نے ایک نہ سنی۔ وہ وہیں بیٹھی رہی اور شیرنی کی آنکھوں پر چونچیں مارتی رہی۔

''ٹھیرو، تم مجھے اندھا کیے دے رہی ہو، مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

ننھی چڑیا ہنسی اور کہنے لگی: ''اگر تم دیکھ نہیں سکتیں ہو تو اپنی آنکھوں سے خون کا گرنا محسوس تو کر سکتی ہو۔''

یہ کہہ کر چڑیا نے سرخ دودھ شیرنی کے سر پر ڈال دیا۔ شیرنی نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو واقعی خون گر رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ڈر گئی۔

چڑیا نے کیلے کا سرخ پھول اٹھا کر شیرنی کے سامنے سڑک پر پھینک دیا اور کہنے لگی: ''دیکھو شیرنی، میں نے تمھارا دل بھی نکال لیا ہے، وہ سامنے سڑک پر پڑا ہے۔''

شیرنی نے کوشش کر کے سامنے نظر ڈالی تو کوئی چیز پڑی دکھائی دی، جسے وہ واقعی اپنا دل سمجھی۔ پھر تو وہ ایک منٹ بھی وہاں نہیں ٹھیری، فوراً مڑی اور تیزی سے جنگل کی طرف بھاگی۔

جب سے اب تک گائے اسی گاؤں میں رہتی ہے اور ننھی سرخ چڑیا اس کی بہترین سہیلی ہے۔ وہ اکثر گائے کے گھر ہی میں رہتی ہے۔ کبھی کبھار اسے وہاں کچھ کھانے پینے کو بھی مل جاتا ہے، کیوں کہ اس نے بُرے وقت میں گائے کی خدمت کی تھی۔ ☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا

مرسلہ: سعدیہ تنویر، واہ کینٹ

- نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا، نیکی کا حق ادا کرنا ہے اور بدی کا بدلہ نیکی سے دینا، احسان ہے۔
- تین باتیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں: سلام کرنا، دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کر دینا اور مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔
- مال سے دنیا میں عزت ملتی ہے اور نیک کاموں سے آخرت میں۔
- ظالموں کو معاف کر دینا، مظلوموں پر ظلم ہے۔

مشہور لوگوں کے اصل نام

مرسلہ: محمد مدثر عثمانی، ضلع لیہ

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اصل نام "عبداللہ" تھا۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ کا اصل نام "عبدالرحمٰن" تھا۔

☆ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا اصل نام "خالد" تھا۔

☆ حضرت ابو سفیانؓ کا اصل نام "صخر بن حرب" تھا۔

☆ ابو جہل کا اصل نام "عمرو بن ہشام" تھا۔

☆ ابو لہب کا اصل نام "عبدالعزیٰ" تھا۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اصل نام "نعمان بن ثابت" تھا۔

☆ شیخ سعدیؒ کا اصل نام "مصلح الدین" تھا۔

شاید میں کھانا کھا چکا ہوں

مرسلہ: عائشہ خالد برکاتی، کراچی

مشہور عالم سائنس داں سر آئزک نیوٹن کے ہاں ایک بار ایک بے تکلف دوست کھانے پر آیا تھا۔ میز پر کھانا لگا دیا گیا تھا، مگر نیوٹن اپنے کمرے میں اپنے کام میں مگن تھے۔ دوست نے ان کے کام میں خلل ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ نیوٹن کی عادت سے اچھی طرح واقف تھا کہ نیوٹن اپنے کام سے فارغ ہونے سے پہلے سر نہیں

اٹھائیں گے۔ جب دوست کی بھوک بڑھی تو بے تکلف خود ہی چپکے سے کھانا شروع کر دیا۔ دوست کو اتنی زیادہ بھوک تھی کہ وہ تمام کھانا چٹ کر گیا۔ بہت دیر بعد جب دوست چلا گیا تو نیوٹن اُٹھے۔ کھانے کی میز پر دھیان گیا تو وہاں خالی برتنوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر نیوٹن نے اپنے آپ سے کہا: "تمام برتن خالی پڑے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ میں کھانا کھا چکا ہوں۔"

شیکسپیئر کی باتیں

مرسلہ: سنبل ماہین، سرگودھا

- ملک آزاد نہیں ہوا کرتے، لوگوں کا فکر و عمل آزاد ہو تو ملک از خود آزاد ہو جایا کرتے ہیں۔
- دولت مند ہونے کا المیہ یہ ہے کہ زندگی اپنے دولت مندوں میں ہی گزارنا پڑتی ہے۔
- ایک زندہ شخص کو ساری دنیا بھی کم پڑ جاتی ہے، مگر مُردے کو قبر کا گوشہ ہی کافی ہے۔
- پرندہ اُڑ جائے تو خالی پنجرے کے بارے میں کسی کو بھی یہ فکر نہیں ہوتی کہ پنجرہ دھوپ میں پڑا ہے یا چھاؤں میں۔

پاگل سے مناظرہ

مرسلہ: شیخ حسن جاوید، کورنگی

ایک بادشاہ نے اپنے ایک وزیر کو پاگل خانے بھیجا، تاکہ پاگلوں کے حالات معلوم کرے۔ وزیر نے پاگلوں میں ایک خوب صورت نوجوان دیکھا۔ اس نے سوچا، اس سے بات کرنی چاہیے، لیکن اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتا، پاگل نے خود ہی سوال کر ڈالا: "میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آدمی نیند کا مزہ کب پاتا ہے؟"

وزیر نے جواب دیا: "جب آدمی جاگتا ہے۔"

نوجوان نے کہا: "جاگنے والا تو نیند پوری کر چکا، کسی چیز کے گزرنے کے بعد کیسا مزہ؟"

وزیر نے کہا: "آدمی نیند سے پہلے اس کا مزہ لیتا ہے۔"

پاگل بولا: "جس چیز کو اس نے چکھا ہی نہیں، اس کا مزہ کیسے لیا؟"

وزیر بولا: "آدمی نیند کے دوران مزہ لیتا ہے۔"

یہ سن کر نوجوان بولا: "سوئے ہوئے

آدمی کو شعور ہی نہیں ہوتا، تو بغیر شعور کے مزہ کیسا؟''

وزیر لاجواب ہوگیا اور اس نے آیندہ کے لیے قسم کھائی کہ کسی پاگل سے سوال جواب نہیں کرے گا۔

لفظ، عادت اور کردار

مرسلہ: روبینہ ناز، کراچی

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجیے، کیوں کہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں۔ اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیوں کہ عادتیں آپ کا کردار بن جاتی ہیں۔ اپنے کردار کی حفاظت کریں، کیوں کہ آپ کا کردار ہی آپ کی شخصیت بناتا ہے۔

استاد روشنی دکھاتا ہے

مرسلہ: عائشہ عروج، سرگودھا

☆ استاد روشنی کا مینار ہے، جو اندھیرے میں راہ دکھاتا ہے۔

☆ اگر یہ دنیا آنکھ ہے تو استاد اس کی بینائی ہے۔

☆ استاد سے کبھی ایسی بات نہ کہو، جس سے اس کا دل ٹوٹ جائے۔

☆ استاد خدا کی طرف سے ہمارے لیے تحفہ ہے۔

☆ استاد کے بغیر انسان ادھورا رہ جاتا ہے۔

☆ استاد علم کا دریا ہے جو انسان کو سیراب کرتا ہے۔

سوال

مرسلہ: صبا عبدالستار شیخ، شکارپور

ایک دہقان ارسطو کا پرستار تھا۔ وہ گاؤں سے چل کر بڑے شوق سے ارسطو سے ملنے آیا۔ شہر آکر پوچھتے پوچھتے وہ ارسطو کے گھر پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت ارسطو حکیم کی دکان پر جانے کے لیے گھر سے باہر نکل رہا تھا۔ دہقان نے پوچھا: ''یہ ارسطو کا گھر ہے؟''

ارسطو نے جواب دیا: ''جی ہاں، ارسطو کا گھر یہی ہے۔''

''ارسطو اندر ہے کیا؟''

''نہیں۔''

''وہ کہاں ملے گا؟''

''حکیم صاحب کی دکان پر۔''

''حکیم صاحب کی دکان کہاں ہے؟''

ارسطو نے اتا پتا بتا دیا۔

کچھ دیر کے بعد دہقان حکیم کا دکان پر پہنچا حکیم سے کہا کہ مجھے ارسطو سے ملنا ہے۔ حکیم نے ارسطو کی طرف اشارہ کیا: ''یہ ہے ارسطو۔''

''اچھا تو تُو ارسطو ہے۔'' دہقان نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔'' ارسطو بولا: ''میں ارسطو ہوں۔''

دہقان کو غصہ آگیا، بولا: ''تُو نے مجھے وہاں کیوں نہ بتایا کہ تُو ارسطو ہے؟''

ارسطو نے جواب دیا: ''تُو نے وہاں یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ کیا تُو ارسطو ہے۔ پوچھتا تو بتا دیتا۔''

حقیقی بھائی

مرسلہ: فضیلہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ

ایک شخص بادشاہ کے دربار میں آیا اور ایک درباری سے کہا: ''بادشاہ سے کہو کہ اس کا بھائی آیا ہے اور مالی مدد چاہتا ہے۔''

بادشاہ نے اسے آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر آیا تو بادشاہ نے پوچھا: ''تُو میرا بھائی کیسے ہوگیا؟''

اس نے کہا: ''میں بھی آدم وحوا کا بیٹا ہوں۔ اس لحاظ سے میں تیرا بھائی ہوا۔''

بادشاہ نے غلام سے کہا: ''اسے ایک درہم دے دو۔''

اس شخص نے کہا: ''اپنے بھائی کو صرف ایک درہم دیتے ہو؟''

بادشاہ نے کہا: ''چپکے سے درہم لے کر چلے جاؤ، ورنہ میرے دوسرے بھائیوں کو خبر ہوگئی تو یہ درہم بھی تمھارے حصے میں نہ آئے گا۔''

بھینس

تحریر: ابن انشا

مرسلہ: سیدہ ایمن اسد

یہ بہت مشہور جانور ہے۔ قد میں عقل سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے۔ چوپایوں میں یہ واحد جانور ہے کہ موسیقی سے ذوق رکھتا ہے۔ اس لیے لوگ اس کے آگے بین بجاتے ہیں، کسی اور جانور کے آگے نہیں بجاتے۔

بھینس دودھ دیتی ہے، لیکن وہ کافی نہیں ہوتا۔ باقی دودھ گوالا دیتا ہے اور دونوں کے باہمی تعاون سے ہم شہریوں کا کام چلتا ہے۔ تعاون اچھی چیز ہے، لیکن دودھ کو چھان لینا چاہیے، تاکہ مینڈک نکل جائیں۔ ☆

کام

کرشن پرویز، بھارت

کرو ہر کام کو بچو! لگن سے
نکھارو زندگی کو علم و فن سے

کرو گے کام، گر محنت سے بچو!
تو عزت پاؤ گے ہر انجمن سے

محبت، پیار تم دنیا میں بانٹو
جیو تم زندگی کو بانکپن سے

وطن کے تم ہی مستقبل ہو بچو!
صدا آتی ہے یہ صحنِ چمن سے

محبت سے نکلتے کام وہ بھی
جو ہو سکتے نہیں پرویز دھن سے

ہم کسی سے کم نہیں

محنت ہے میرا جنون

دنیا کی سب سے کم عمر آئی ٹی ماہر پاکستانی بچی ارفع کریم مرحومہ کے بعد اب آٹھ برس کے شافع تھوبانی نے مائیکروسافٹ ٹیکنالوجی اسپیشلسٹ کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستانی کسی بھی میدان میں کسی سے پیچھے نہیں۔ ۱۳-مارچ ۲۰۰۴ء کو کراچی میں پیدا ہونے والا شافع تھوبانی ایک شرارتی بچہ ہے۔ وہ نہ صرف کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں دل چسپی رکھتا ہے، بلکہ کھیل کود کا بھی خوب شوقین ہے۔ ''محنت ہے میرا جنون، تم بھی ہو پاکستان'' کے نعرے کے ساتھ شافع چاہتا ہے کہ دوسرے بچے بھی پاکستان کا نام روشن کرنے کے لیے آگے آئیں۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر شاہ تھوبانی کے بیٹے شافع تھوبانی نے ۹-اپریل ۲۰۱۲ء کو دنیا کے کم عمر مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ ٹیکنالوجی اسپیشلسٹ کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ ☆

کاروں کے چار ہزار نمونے

شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ یہ بات پاکستانی نوجوان عامر اشفاق نے کاروں کے نمونے جمع کر کے ثابت کر دکھائی۔ عامر نے اب تک چار ہزار سے زیادہ کاروں کے نمونے جمع کیے ہیں۔ انھوں نے اپنا کمرا اور اسٹڈی روم کاروں کے نمونوں سے سجا رکھا ہے۔

عامر نے کہا ہے کہ میں آٹھ سال کی عمر سے یہ نمونے جمع کر رہا ہوں۔ بڑے ہونے پر بھی میرے جنون میں کمی نہیں آئی۔ انھوں نے کہا کہ اگر پاکستان میں کاروں کے نمونے وافر تعداد میں دستیاب ہوتے تو شاید گینز بک آف ورلڈ رکارڈ میں میرا نام بھی شامل ہوتا۔ میرا رابطہ انٹرنیٹ کے ذریعے سے کاروں کے ماڈلز کا شوق رکھنے والے لوگوں سے رہتا ہے جو میری بہت حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ حیران کن بات ہے کہ پاکستان میں بھی ایسا شوق رکھنے والا کوئی ہے۔ عامر کے پاس ہر قسم کی گاڑی کا نمونہ موجود ہے۔ ☆

رحم دل موچی

نظارت نصر

بہت عرصے پہلے کی بات ہے، کسی گاؤں میں ایک موچی رہا کرتا تھا۔ وہ اپنے کام میں بہت مہارت رکھتا تھا۔ دور دور تک اس کے بنائے ہوئے جوتوں کی دھوم تھی۔ امیر لوگ بھی فرمایش کر کے اسی سے جوتے بنوایا کرتے تھے۔ اس طرح موچی کو اچھی خاصی رقم مل جاتی تھی، یوں اس کا گزارا بہت اچھی طرح سے ہو رہا تھا۔ موچی بہت رحم دل انسان تھا۔ اُسے جب کوئی بھوکا شخص نظر آتا تو وہ اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا۔ اگر کسی کے کپڑے پھٹے پرانے دیکھتا تو اسے نئے کپڑے دلا دیتا۔ اس طرح غریب لوگ موچی کو بہت دعائیں دیتے۔ موچی کو رقم جمع کرنے کی عادت نہ تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ موچی بیمار پڑ گیا۔ وہ کئی دنوں تک کام نہ کر سکا۔ ایک دن وہ بستر پر پڑا تھا کہ اس کی بیوی نے کہا: ”ہمارے پاس کوئی جمع پونجی نہیں تھی۔ تم بھی بہت دنوں سے

بیمار ہو، سب رپے ختم ہو گئے ہیں۔ گھر میں کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ اب کیا ہوگا؟''

موچی نے اسے دلاسا دلایا: ''تم فکر مت کرو، اللہ ہماری مدد کرے گا۔ میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا اور پھر سے کام شروع کر دوں گا۔ تم اتنے دنوں کے لیے کسی سے کچھ رقم اُدھار لے لو۔ بعد میں ادا کر دیں گے۔''

چناں چہ موچی کی بیوی نے اپنے ایک اچھے پڑوسی سے کچھ رقم اُدھار لے لی۔ اس سے کچھ دنوں کے کھانے پینے اور موچی کی دوا کا بندوبست ہو گیا، مگر موچی کو کوئی افاقہ نہ ہوا، بلکہ اس کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ اب تو موچی خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد پھر اُدھار مانگنے کی نوبت آ گئی۔ ناچار موچی کی بیوی ایک مرتبہ پھر کسی سے اُدھار مانگنے گئی۔ موچی گھر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد جب وہ لوٹی تو خالی ہاتھ تھی۔ موچی نے اس کی اُداس صورت دیکھ کر پوچھا: ''کیا بات ہے، تم بہت افسردہ دکھائی دے رہی ہو؟''

اس کی بیوی رونے لگی: ''کسی نے بھی مجھے اُدھار نہیں دیا، میں سارا گاؤں گھوم آئی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تمھاری بیماری بڑھتی جا رہی ہے، ہو سکتا ہے کہ تم کبھی اچھے نہ ہو سکو، تو پھر ان کا اُدھار کون واپس کرے گا۔''

موچی کو یہ باتیں سن کر بہت دکھ ہوا، مگر وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی جلد صحت یابی کے لیے دعا کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی بیوی نے کہا: ''میں کوئی ہنر نہیں جانتی، مگر محنت مزدوری کر کے کچھ نہ کچھ کما سکتی ہوں۔ اگر تم کہو تو میں کسی گھر میں مزدوری کر لوں۔ اس طرح ہم بھوکے مرنے سے بچ جائیں گے۔''

موچی کو اس کی تجویز پسند آئی۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر تھا، اس نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر میں مزدوری کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کی بیوی سارا دن مشقت کرتی اور شام کو اسے صرف دو روٹیاں ملتی تھیں۔ دونوں میاں بیوی ایک ایک روٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتے۔ وہ

ساتھ ساتھ علاج کے لیے گھر کی چیزیں بیچ رہے تھے، مگر موچی کو آرام نہیں آ رہا تھا۔ اب تو اس سے چارپائی سے اُترا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ہمت کر کے جوتا بنانے کی کوشش کی، مگر وہ کمزوری کے باعث کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سب سامان وہیں میز پر چھوڑا اور خود چارپائی پر لیٹ گیا۔

صبح اس کی آنکھ اپنی بیوی کے خوشی سے چلّانے کی وجہ سے کھلی۔ وہ اسے ایک تیار جوتا دکھا رہی تھی۔ موچی حیران رہ گیا۔ جوتا بہت عمدہ سلا ہوا تھا۔ یہ وہی چمڑا تھا، جو کل موچی نے میز پر رکھ دیا تھا، مگر اب وہ ایک بہترین جوتے کی شکل میں تھا۔

''یہ جوتا تم نے تیار کیا ہے؟'' موچی کی بیوی نے پوچھا۔

''نہیں، میں نہیں جانتا، اسے کس نے سلائی کیا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی موچی نے اسے ساری بات سنا دی۔ اس کی بیوی بولی: ''جس نے بھی یہ جوتا سلائی کیا ہے، وہ ہمارا محسن ہے۔ میں

اس کا شکریہ ادا کروں گی، جو بُرے وقت میں ہمارے کام آیا ہے۔"

موچی کے کہنے پر اس کی بیوی نے وہ جوتا ایک امیر آدمی کو مہنگے داموں میں فروخت کر دیا۔ اسے اتنے رپے ملے تھے کہ اُدھار چکا کر بھی بہت سے رپے بچ گئے تھے۔ موچی نے چمڑے کا ایک اور ٹکڑا میز پر رکھ دیا۔ وہ دونوں دیکھنا چاہتے تھے کہ دراصل جوتا کس نے تیار کیا تھا۔

رات کو دونوں انتظار کرتے کرتے سو گئے، مگر انھیں جوتا تیار کرنے والا نظر نہ آیا۔ صبح جب وہ جاگے تو موچی کی بیوی بھاگی ہوئی کمرے میں گئی۔ میز پر تیار شدہ جوتوں کا جوڑا رکھا تھا۔ پھر روزانہ ایسا ہی ہونے لگا۔ دونوں میاں بیوی رات کو جاگتے رہتے کہ جوتا سلائی کرنے والے کو دیکھ سکیں، مگر پھر انھیں زور کی نیند آ جاتی اور صبح ہی ان کی آنکھ کھلتی۔ تب انھیں میز پر ایک نیا جوتا تیار ملتا۔ ان جوتوں کی قیمت موچی کے بنائے ہوئے جوتوں سے بھی زیادہ ملتی تھی، اس طرح ان کے گھر میں پہلے کی طرح خوش حالی آ گئی۔ موچی کو اچھی غذا اور دوا ملی تو وہ بھی تن درست ہونے لگا۔ ایک شام موچی نے اپنی بیوی سے کہا: "آج رات میں کھانا کم کھاؤں گا۔ زیادہ کھانے سے نیند بہت آتی ہے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ کون روزانہ یہ جوتا تیار کرتا ہے۔"

رات کو موچی نے کم کھانا کھایا۔ اسے نیند بھی کم آئی۔ آدھی رات کے بعد اس نے دیکھا کہ جوتے بنانے والے کمرے میں ہلکی سی روشنی ہو رہی ہے۔ وہ دبے پاؤں چارپائی سے اُتر کر کمرے کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے میز کے ایک کنارے پر ایک خوب صورت ہیرا رکھا ہوا تھا۔ روشنی اسی ہیرے سے پھوٹ رہی تھی۔ میز پر دو ننھے بونے جوتا تیار کرنے میں مشغول تھے۔ ایک بونے نے جوتے کو پکڑ رکھا تھا، جب کہ دوسرا بونا انتہائی مہارت سے سلائی کر رہا تھا۔ موچی کے دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے جوتے کی سلائی مکمل کر لی۔ صبح موچی نے سارا واقعہ اپنی بیوی کو بتایا۔ وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوئی اور بولی: "میں بھی ان اچھے، نیک دل بونوں کو کوئی تحفہ دوں گی، جنھوں نے بُرے وقتوں میں ہماری مدد کی ہے۔"

موچی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ موچی کی بیوی نے رات کو بہت سے اچھے اچھے کھانے بنائے اور سلائی کی میز کے ایک طرف ڈھانپ کر رکھ دیے۔ صبح انھوں نے دیکھا کہ بونوں نے کھانا کھا لیا تھا۔ جوتا بھی حسبِ سابق سلائی کیا ہوا رکھا تھا۔ موچی کی بیوی نے بونوں کے لیے اچھے اچھے کپڑے بھی سلوائے اور موچی نے خود بونوں کے لیے چھوٹے چھوٹے جوتے تیار کیے اور میز پر رکھ دیے۔ اگلی صبح ساری چیزیں غائب تھیں۔ موچی کی بیوی نے کہا: "لگتا ہے کہ ان نیک دل بونوں کو ہمارے تحفے پسند آ گئے ہیں۔"

اب موچی بالکل تن درست ہو چکا تھا۔ اس نے رات کو کمرے میں روشنی دیکھ کر اونچی آواز میں کہا: "میرے نیک دل اچھے بونو! تمھارا بہت شکریہ، تم دونوں نے بُرے وقت میں ہماری بہت مدد کی۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خود محنت کرکے کما سکتا ہوں، اس لیے تم دونوں کا بہت شکریہ۔ اگر میری خواہش ہے کہ تم ہفتے میں ایک دن آ کر ہمارے ساتھ کھانا کھایا کرو۔ اس سے ہمیں خوشی ہوگی۔ ہم تمھیں اپنا بہت اچھا دوست سمجھتے ہیں۔"

یہ کہہ کر موچی خاموش ہو گیا، مگر اسے کسی قسم کا جواب نہیں ملا۔ صبح جوتوں کے جوڑے کے ساتھ ایک خط بھی موجود تھا، جس میں بونوں نے موچی کی پیش کش قبول کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور اس کی تعریف بھی کی تھی کہ وہ کام چور نہیں تھا۔

وقت گزرتا گیا، موچی اور بونے دوست بن گئے۔ ہر ملاقات پر وہ دیر تک موچی کے ساتھ اچھی اچھی باتیں کرتے تھے۔

ایک دن ایک ڈھنڈورچی ان کے گاؤں میں آیا۔ موچی نے سنا، وہ کہہ رہا تھا: "بادشاہ سلامت کو ایک ایسے ہیرے کی تلاش ہے، جس سے نیلی روشنی پھوٹتی ہے، تاکہ وہ اپنی بیماری کا علاج کر سکیں۔ ہیرے کے بارے میں اطلاع دینے والے کو بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔"

موچی کو یاد آ گیا کہ بونوں کے پاس جو ہیرا تھا، اس میں سے نیلی روشنی نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی بیماری کا وقت یاد آ گیا۔ اسے احساس تھا کہ بیماری کتنی بڑی آزمائش ہے۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنے رحم دل بادشاہ کی بیماری دور کرنے کے لیے اپنے دوست بونوں سے ان کا ہیرا مانگ لے گا۔ اب وہ بے چینی سے ملاقات کے دن کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ دن بھی آ گیا۔ موچی نے اپنی بیوی سے کہہ کر اچھے اچھے کھانے پکوائے۔ جب بونے پیٹ بھر کر کھانا کھا چکے تو موچی نے ان سے ہیرا مانگا۔

''ہمارے بادشاہ کو علاج کے لیے اس ہیرے کی ضرورت ہے۔ بیمار آدمی کے کام آنا نیکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بادشاہ کی مدد ضرور کرو گے۔''

بونوں نے چند لمحے سوچا، پھر اپنا خاندانی ہیرا موچی کے سپرد کر دیا۔ موچی نے خوشی خوشی وہ ہیرا بادشاہ کو دے دیا۔ صحت یاب ہونے کے بعد بادشاہ نے وعدے کے مطابق اسے ہیرے جواہرات کا بھرا ہوا ایک صندوق دیا، مگر موچی نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: ''میں نے یہ سب کسی لالچ کے تحت نہیں کیا ہے۔ آپ کی صحت یابی ہی میرا انعام ہے، پھر بھی آپ اگر کچھ دینا چاہتے ہیں تو وہ ہیرا لوٹا دیجیے، کیوں کہ وہ میرے دوست بونوں کا ہے۔''

بادشاہ بونوں کی کہانی سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے انعام کے ساتھ ساتھ بونوں کا ہیرا بھی لوٹا دیا۔ موچی نے سارا خزانہ بونوں کو دے دیا اور بولا: ''میرا خزانہ میرا ہنر ہے، جو میرے ہاتھ میں ہے۔ میں محنت کر کے کما سکتا ہوں۔ یہ سب تم لے لو، کیوں کہ ہیرا بھی تمھارا ہی تھا۔''

مگر بونوں نے اصرار کر کے آدھا خزانہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس طرح موچی کو اپنی نیک نیتی کا پھل مل گیا۔ ☆

بیت بازی

تازہ ہوا کے شوق میں اے ساکنانِ شہر
اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

شاعر: حبیب جالب پسند: راجا ثاقب جنجوعہ، پنڈ دادن خان

زندگی کی حقیقتیں مت پوچھ
آدمی بے خبر ہی اچھا ہے

شاعر: کرار نوری پسند: دعا ظفر خاں، ملیر

جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند
اس قوم سے تاریخ کے معمار نہ مانگو

شاعر: میر واصف علی پسند: عائشہ مسعود، راولپنڈی

کیا جانیے منزل ہے کہاں، کس کو خبر ہے
بہتے ہوئے پانی پہ چراغوں کا سفر ہے

شاعر: آفاق صدیقی پسند: فرازیہ اقبال، عزیز آباد

جب روشنی کا قتل سرِ شام ہو گیا
سورج کا خون پھیل گیا آسمان پر

شاعر: عارف شفیق پسند: صادق حفیظ، ملتان

اس فقیری میں بھی قائم ہے بھرم دنیا پر
ہر بھکاری کو مری جیب بھری لگتی ہے

شاعر: رئیس انصاری (بھارت) پسند: جاوید علی، لاہور

کوئی بنتا نہیں بے کس کا سہارا اے دوست!
پیڑ سوکھے ہوئے پتوں کو گرا دیتا ہے

شاعرہ: عذرا عزمی پسند: وسیم شہزاد، ٹھٹھہ

کچھ تو ہی مرے کرب کا مفہوم سمجھ لے
ہنستا ہوا چہرہ تو زمانے کے لیے ہے

شاعر: مظفر وارثی پسند: پارس احمد خان، کراچی

میں لہرا کر خوشی کا دل میں پرچم
چراغِ غم کو مدھم کر رہا ہوں

شاعر: غنی دہلوی پسند: ہادیہ لقمان، لاڑکانہ

اس دور میں عیاری کا نام ہے ہشیاری
اور سادہ مزاجوں کو سب کہتے ہیں دیوانے

شاعر: سید قاسم جلال پسند: فاطمہ تیمور، کوئٹہ

ماں وہ دیتی ہے زندگی کا سبق
پیار جس کا نصاب ہوتا ہے

شاعر: کمال وارث خان پسند: تحریم خان، بلال ٹاؤن

محفل میں دوستوں کی، نشانہ تھی میری ذات
پھر اس کے بعد، ذکر تمھارا بہت ہوا

شاعر: ندیم اشرف بیگ، پسند: محمد اکرم وارثی، کراچی

مضمر ہے اس میں اسوۂ سرورؐ کی پیروی
دشمن علیل ہو تو عیادت کیا کرو

شاعر: عبدالجبار اثر پسند: مہک اکرم، لیاقت آباد

طلوعِ ماہ بھی تھا دیکھنا، تو اپنے گرد
عمارتیں یہ فلک بوس کیوں بنالی ہیں

شاعر: حسن اکبر کمال پسند: شائلہ خاور، دستگیر

حضرت زید بن حارثہؓ

افضال احمد خاں

حضرت زید بن حارثہؓ یمن کے ایک قبیلے کے سردار حارثہ بن شُرحبیل کے بیٹے تھے۔ وہ آٹھ سال کے تھے کہ ان کی والدہ سُعدیٰ بنتِ ثعلبہ انھیں لے کر اپنے میکے گئیں۔ دورانِ سفر ان کے قافلے پر ڈاکا پڑا اور قافلے کا سامان لوٹ لیا گیا۔ حضرت زیدؓ کو بھی ڈاکو پکڑ کر لے گئے اور انھیں طائف کے قریب عکاظ کے میلے میں لے جا کر بیچ دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انھیں خرید کر حضرت خدیجہؓ کو دے دیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو حضرت خدیجہؓ نے انھیں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کچھ عرصے بعد حضرت زیدؓ کے قبیلے کے کچھ لوگ حج کرنے کے لیے مکہ آئے تو ان لوگوں کی نظر حضرت زیدؓ پر پڑی۔ ان سے پوچھا تو اندازہ درست نکلا۔ واپس جا کر انھوں نے حضرت زیدؓ کے والد کو یہ بات بتا دی۔

حضرت زیدؓ کے والد بے قرار ہو کر بیٹے کو واپس لے جانے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا، لیکن حضرت زیدؓ نے اپنے والدین کے بجائے حضورؐ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ حضورؐ، حضرت زیدؓ کی اس بات سے اتنا خوش ہوئے کہ اعلان فرما دیا: ''لوگو! گواہ رہنا، زید آج سے میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور وہ میرا وارث ہے۔''

حضورؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضورؐ جب بھی اسلام کی تبلیغ کے لیے کہیں جاتے، حضرت زیدؓ اونٹنی پر پیچھے سوار ہوتے تھے۔ حضورؐ پیدل جا رہے ہوتے تو حضرت زیدؓ بھی ساتھ ہوتے۔ طائف میں مشرکین نے حضورؐ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تو حضرت زیدؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے اور وہ بھی شدید زخمی ہوئے۔

حضرت زید بن حارثہؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگِ بدر سے جنگِ موتہ تک ہر معرکے میں شریک رہے۔ جنگِ موتہ میں آپؓ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ وہ واحد خوش قسمت صحابی ہیں، جن کا نام قرآن پاک کی سورۃ احزاب میں آیا ہے۔ ☆

فوجی جوان

شاہد حسین، لاہور

اے فوجی ، اے فوجی جوان!
تجھ سے ہے یہ پاکستان
کرتا ہے تُو اس کی حفاظت
کرکے اپنی جاں قربان

اے فوجی ، اے فوجی جوان!
بہنوں کے ہے سر کا دوپٹا
اور ماؤں کا تُو ہے مان

اے فوجی ، اے فوجی جوان!
تجھ سا بہادر کوئی نہیں ہے
جرأت و ہمت کی پہچان

اے فوجی ، اے فوجی جوان!
تُو نے جنگ میں پیٹھ کی
کردیا دنیا کو حیران

اے فوجی ، اے فوجی جوان!
تجھ سے ہے یہ پاکستان

اصل ایوارڈ

جدون ادیب

آج کا دن ڈاکٹر سلیم کے لیے بہت اہم تھا۔ موسم خوش گوار تھا اور ہر چیز خوب صورت لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر سلیم نے اس دن کے لیے انتھک محنت کی تھی اور یہ جدو جہد بیس سال سے زیادہ عرصے سے جاری تھی۔ آج وہ دن تھا، جب ڈاکٹر سلیم ''ڈاکٹر آف دی سٹی'' کا ایوارڈ جیت کر اپنی برسوں پرانی خواہش کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر سلیم کے لبوں پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ وہ تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھے اور انھیں لگ رہا تھا جیسے آج ان سے زیادہ اسمارٹ کوئی نہیں۔

شہر میں آج محکمۂ صحت کے زیر انتظام ایک بہت بڑی تقریب کا اہتمام تھا۔ یہ پُر وقار تقریب ان لوگوں کے اعزاز میں منعقد کی جا رہی تھی، جنھوں نے مریضوں کی صحت کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ ان لوگوں کے لیے ایوارڈ اور نقد انعام رکھے گئے تھے۔ ایک ایوارڈ ایسے ڈاکٹر کے لیے بھی تھا، جس نے اپنے فرض سے بڑھ کر انسانوں کی خدمت کی ہو اور اس ایوارڈ کے لیے ڈاکٹر سلیم کو نامزد کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر سلیم کا اس شہر میں کوئی رشتے دار نہیں تھا۔ وہ اسپتال کے احاطے میں بنے ایک گھر میں رہتے تھے۔ وہ بچوں کے امراض کے ماہر ڈاکٹر تھے۔ اس سرکاری نوکری کے علاوہ اپنا ذاتی کلینک نہیں چلاتے تھے، اس لیے اسپتال میں ۲۴ گھنٹے موجود ہوتے تھے۔ ایمر جنسی میں لگاتار کئی دن تک کام کرتے تھے اور اپنی بے لوث خدمت کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔

شروع شروع میں ڈاکٹر سلیم نے اپنی نامزدگی میں دل چسپی نہیں لی تھی، مگر پھر ایوارڈ کی اہمیت کا جان کر انھیں دل چسپی ہوگئی اور پھر دوستوں نے جب یقین دلایا کہ وہ ایوارڈ جیت سکتے ہیں تو وہ بھی پُر اُمید ہوگئے۔ انھیں لگا کہ شاید یہی وہ دن ہے، جس کا

انھوں نے برسوں انتظار کیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم نے اپنے لیپ ٹاپ پر اپنا تعارف تیار کر کے اسے ایک سی ڈی میں منتقل کرلیا تھا۔ اس وقت ان کے بریف کیس میں لیپ ٹاپ اور سی ڈی دوسرے کاغذات کے ساتھ محفوظ تھے۔ ڈاکٹر سلیم نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا اور سوچنے لگے کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کن الفاظ میں کریں گے۔

اسی لمحے دروازے پر زور سے دستک ہوئی اور پھر دروازہ زور سے کھلا۔ ڈاکٹر سلیم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں اسپتال کا کارکن مسکین کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ ڈاکٹر سلیم کچھ پوچھتے، وہ خود ہی بول پڑا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ کو ڈاکٹر فاروقی نے بلایا ہے۔ ایک بچہ بہت تشویش ناک حالت میں لایا گیا ہے۔ آپ کو اس کا آپریشن کرنا ہے۔''

''کیا.....؟'' ڈاکٹر سلیم کے منھ سے نکلا، پھر ان کی نظر وال کلاک پر پڑی۔

مسکین جلدی سے بولا: ''ڈاکٹر ارسلان کی کار ٹریفک جام میں پھنس چکی ہے۔ وہ ایک گھنٹے سے پہلے نہیں آسکتے۔ ڈاکٹر فاروقی......''

مسکین کی بات ادھوری رہ گئی۔ خود ڈاکٹر فاروقی کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر سلیم نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ ڈاکٹر سلیم کے قریب آئے اور ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے: ''مجھے اندازہ ہے کہ تم اس وقت کیا سوچ رہے ہو، مگر میں صرف ایک بات سوچ رہا ہوں کہ ہم ڈاکٹر ہیں اور ہمارا سب سے بڑا ایوارڈ یہ ہے کہ ہماری وجہ سے کسی کی جان بچ جائے...... ینگ مین! ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے! زندگی آپ کو بہت کچھ دے گی۔ آیئے، ایک زندگی بچانے کے لیے آپ کی ضرورت ہے...... فوراً میرے ساتھ چلیے۔''

ڈاکٹر سلیم کے اندر کا فرض شناس ڈاکٹر جاگ اُٹھا۔ انھوں نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کوٹ اُتار دیا۔

وہ دونوں دوڑتے ہوئے آپریشن روم میں پہنچے۔ آپریشن روم میں آپریشن کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ دس سالہ بچے کے دماغ میں شدید چوٹ لگی تھی اور اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر سلیم نے اپنے ذہن سے ایوارڈ کو نکال پھینکا اور بچے پر جھک گئے۔

آپریشن بہت نازک تھا۔ چار گھنٹے صرف لگ گئے، مگر بچے کی جان بچ گئی۔ ڈاکٹر سلیم بہت تھک چکے تھے، مگر بچے کی جان بچ جانے پر انھیں دلی اطمینان ہوا۔ ایک لمحے کے لیے ایوارڈ سے محرومی کا خیال انھیں افسردہ کر گیا، مگر فرض کی جیت نے انھیں اگلے ہی پل طمانیت سے بھر دیا۔

آپریشن روم کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلے تو بچے کے ماں باپ سمیت کئی لوگ ایک ساتھ ان کی طرف لپکے۔ ڈاکٹر سلیم کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ ان کی آنکھوں میں موجود سوال کا جواب تھی، مگر وہ ان کے منھ سے سننا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر سلیم پیشہ ورانہ خوش مزاجی سے بولے: ''مبارک ہو، اللہ نے رحم کر دیا ہے۔ بچے کو جلد ہوش آجائے گا۔''

ڈاکٹر سلیم اکثر اس قسم کی جذباتی صورتِ حال سے گزرتے رہتے تھے، مگر آج بچے کے گھر والوں کی نظروں میں جو احسان مندی اور پیار انھیں نظر آیا، وہ انھوں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ شاید ان لوگوں کو پتا چل گیا تھا کہ انھوں نے کتنی بڑی قربانی دے کر ان کے بچے کی جان بچائی تھی۔

ڈاکٹر سلیم انھیں تسلی دے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ راہداری کے دوسرے سرے پر اسپتال کے کارکن میڈیا کے نمایندوں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ پھر کچھ نمایندے انھیں ہٹا کر ڈاکٹر سلیم کے قریب پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر سلیم تک پہنچنے والی ایک خاتون رپورٹر تھی۔ مائیک اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک کیمرا مین کیمرا آن کیے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ رپورٹر نے مائیک میں کہا: ''ہمیشہ کی طرح آج بھی سب سے پہلے...... ہم یہ خبر آپ تک پہنچا رہے ہیں کہ ڈاکٹر سلیم نے حادثے میں زخمی ہونے والے بچے کی جان بچالی ہے۔ وہ آپریشن کام یاب رہا، جس کے لیے انھوں نے اپنے انعام واعزاز کی بھی پروا نہیں کی۔''

پھر وہ ڈاکٹر سلیم کی طرف مڑ کر بولی: ''مبارک ہو ڈاکٹر سلیم! آپ دونوں محاذوں پر کام یاب رہے۔ کیا آپ کو پتا ہے کہ ڈاکٹر آف دی سٹی کا ایوارڈ آپ کو دیا گیا ہے؟''

ڈاکٹر سلیم خوش گوار حیرت کے عالم میں تھے۔ اسی وقت ایک اور رپورٹر نے پوچھا: ''سر! کیا آپ ہمیشہ اسی طرح دوسروں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں؟''

ایک اور رپورٹر نے سوال کیا: ''حکومت نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کے آبائی علاقے میں ایک اسپتال قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ آپ اس اسپتال کا کیا نام تجویز کرتے ہیں؟''

ڈاکٹر سلیم حیرت سے پے در پے ہونے والے انکشافات سن رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا بولیں۔

رپورٹر اب خاموش تھے اور ڈاکٹر سلیم کے بولنے کے منتظر تھے۔ کئی چینل براہِ راست کوریج دے رہے تھے اور بار بار فلیش چمک رہے تھے۔

ڈاکٹر سلیم آہستہ سے کھنکارے، ان کی آواز بھاری ہو گئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولے: ''سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ جو کرتا ہے، اچھا کرتا ہے۔ وہ ہمیں ہماری نیت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں چھپی خواہشات کو جانتا ہے اور بغیر مانگے وہ بہت کچھ دے دیتا ہے۔''

ایک بے چین رپورٹر بولا: ''ڈاکٹر صاحب! آپ اس وقت کیا سوچ رہے ہیں؟ آپ کی اس لمحے کیا خواہش ہے؟''

ڈاکٹر سلیم نے متشکرانہ انداز میں اوپر دیکھا، پھر بولے: ''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جو ہماری شہ رگ سے قریب ہے، ہمارے مسائل حل کرتا ہے، ہماری خواہشات پوری کرتا ہے۔ وہ کتنا مہربان اور اچھا ہے اور رہی بات خواہش کی تو اس وقت تو بس ایک کپ گرم چائے مل جائے!''

ڈاکٹر فاروقی تیزی سے آگے بڑھے: ''پلیز! ڈاکٹر سلیم کو فریش ہونے دیں۔ آپ لوگ میٹنگ ہال میں تشریف لے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سلیم پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ آپ لوگوں کے لیے چائے کا انتظام وہیں پر کیا جا رہا ہے۔''

ڈاکٹر سلیم دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ اپنے گاؤں میں اسپتال قائم کرنے کی بیس سال سے جو خواہش ان کے دل میں چھپی ہوئی تھی، وہ خدا نے کیسے خود ہی پوری کر دی۔

سب کے جانے کے بعد ڈاکٹر فاروقی نے نظر بھر کر ڈاکٹر سلیم کو دیکھا، پھر کچھ کہے بنا انھیں گلے سے لگا لیا۔ ڈاکٹر فاروقی کا یہ خاموش خراجِ تحسین تھا۔ ☆

حوصلہ

شکیل صدیقی

عاقل سولنگی صرف گیارہ برس کا تھا، مگر وہ ایک ہوشیار، ذہین اور چاق چوبند لڑکا تھا۔ وہ پابندی سے اسکول جاتا تھا، لیکن جس دن اسکول کی چھٹی ہوتی تو وہ اپنے بابا کریم سولنگی کے کھیت پر چلا جاتا۔ اس کے بابا ایک محنتی کسان تھے۔ انھیں کھیتوں سے اچھی آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔

عاقل جب کھیت میں جاتا تو بدھو لڑکوں کی طرح خاموشی سے ایک طرف نہیں بیٹھتا تھا۔ وہ ہر چیز کو اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا اور اپنے بابا سے سیکڑوں سوالات کرتا۔ وہ گائے، بکریوں کی نگرانی کرتا اور انھیں چارا بھی دیتا۔ ان کاموں سے وقت بچ جاتا تو وہ ٹریکٹر پر بیٹھ کر اسے چلانے کی کوشش کرتا، مگر اس معاملے میں وہ ابھی اناڑی تھا۔

اس کے بابا اپنے بیٹے کے سوالات سے کبھی پریشان نہیں ہوتے۔ وہ محبت سے اس کے سوالوں کے جوابات دیتے اور اپنی طرف سے چیزوں کی وضاحت بھی کر دیتے۔

ایک دن سہ پہر کو عاقل اسکول سے واپس آیا تو اس نے عادت کے مطابق بستے کو سلیقے سے الماری میں رکھا، پھر کپڑے تبدیل کر کے ہاتھ منھ دھو لیے تو اس کی امی نے اسے کھانا کھلا دیا۔ جب اس نے تھوڑی دیر آرام کر لیا تو اس کی امی اسے کھیت پر لے گئیں، جہاں ان کے شوہر اناج بو رہے تھے۔

وہ ٹریکٹر پر بیٹھے تھے، جس کے اگلے حصے میں لگے ہوئے آلات سے زمین کی کھدائی ہو رہی تھی۔ عاقل ٹریکٹر پر چڑھ کر اپنے بابا کے دائیں جانب بیٹھ گیا۔ اس کے بابا اسے بتانے لگے کہ ٹریکٹر کیسے چلایا جاتا ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد انھوں نے ٹریکٹر اس کے حوالے کر دیا اور خود اتر گئے۔ انھوں نے ایک آلہ دبا کر احتیاطاً ٹریکٹر کی رفتار کم کر دی تھی۔

”میں بیجوں کے ڈبے دیکھنے جا رہا ہوں۔ تم ٹریکٹر کو احتیاط سے چلانا۔“

بیجوں کے ڈبے بائیں طرف ایک کوٹھری کے سامنے ہی رکھے تھے۔ یہ بیج وہ بازار سے خرید کر لائے تھے، لیکن اب اس کا جائزہ لینا چاہتے تھے۔ وہ کوٹھری کی طرف چلے گئے۔ عاقل کو شرارت سوجھی تو اس نے ٹریکٹر پیچھے کی طرف چلانا شروع کر دیا، جہاں اس کے بابا بیجوں کے ڈبوں کے قریب بیٹھے انھیں کھول رہے تھے۔

اس نے مناسب فاصلے پر ٹریکٹر کو روک دیا۔ اس کے بعد اسے آگے لے گیا۔ پھر پیچھے لانے لگا۔ اس کے بابا اس کی شرارت پر مسکرا رہے تھے۔ عاقل انھیں گردن گھما کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بابا ہاتھ لہرا کر اسے شاباشی دے رہے تھے۔ انھوں نے سوچا اب کام جلد ختم کر لینا چاہیے، اس لیے کہ سورج ڈوب رہا تھا اور ہر چیز پر تاریکی چھا رہی تھی۔

عاقل ایک بار ٹریکٹر کو بہت پیچھے لے گیا اور کچھ وقفے کے بعد پھر آگے لے گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے اپنے بابا نظر نہیں آئے۔ عاقل خوف زدہ ہو گیا، اس لیے کہ کھیت میں اس کے بابا کے سوا کوئی نہیں تھا۔ امی اسے چھوڑ کر جا چکی تھیں۔

اس نے ٹریکٹر کی چابی اُلٹی طرف گھمائی تو وہ ایک عجیب سی آواز نکال کر ساکت ہو گیا۔ اس کا انجن بند ہو چکا تھا۔ عاقل چھلانگ لگا کر ٹریکٹر سے اُتر گیا۔

وہ کوٹھری کے قریب گیا تو اسے اپنے بابا زمین پر پڑے دکھائی دیے۔ ان کی ایک ٹانگ مڑی ہوئی تھی اور بالکل ساکت تھے۔ وہ اور قریب گیا تو اسے اپنے بابا کی قمیص خون میں ڈوبی نظر آئی۔ وہ دہشت زدہ ہو گیا اور رونے لگا کہ اس کے بابا شاید مر چکے ہیں اور یہ سب اس کی غلطی سے ہوا تھا۔

آخری بار جب اس نے ٹریکٹر کو پیچھے کیا تو اس کے پچھلے پہیے سے دھکا لگ گیا اور وہ زمین پر گر پڑے تھے۔ دونوں پہیوں کے بیچ میں ایک آلہ لگا تھا، جو زمین کھودتا اور گھاس کی جڑوں کو باہر نکال دیتا تھا۔ اس آلے کا بلیڈ ان کی ران پر چل گیا تھا۔

"اوہ! یہ میں نے کیا کر دیا؟" وہ دہاڑیں مار کر رونے لگا۔

جب اس کا دل ہلکا ہو گیا تو اس نے آنسو پونچھ لیے اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے، ممکن ہے اس کے بابا زندہ ہوں اور اسپتال پہنچنے پر ان کی جان بچ جائے۔

اس نے ٹریکٹر پر چڑھ کر چند بٹنوں کو دبایا تو ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ وہ تیز دھار آلہ زمین سے اُٹھ گیا۔ عاقل فوراً ٹریکٹر سے اُتر آیا اور اس نے اپنے بابا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر انھیں پیچھے کھینچنا چاہا، لیکن ان کا جسم بھاری تھا، اس لیے وہ ناکام رہا۔ بہر حال اس نے ہمت نہیں ہاری اور انھیں کھینچتا رہا۔ اس کے بابا کچھ پیچھے ہو گئے، مگر وہ پسینے میں نہا گیا تھا۔ اس نے اپنے بابا کو وہیں چھوڑ دیا اور بابا کی پک اپ کی طرف دوڑا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اپنے چاچا کو وہاں لے آئے گا تو وہ بہت کچھ کر سکیں گے۔ کاش کہ اس کے پاس موبائل فون ہوتا تو فوراً بات ہو جاتی۔

وہ پک اپ کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو اسے چابی لٹکتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے، لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح سے چابی گھما دی۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا، وہ ایک بار پہلے بھی اسے تھوڑی دور تک چلا چکا تھا۔

اس کا گھر وہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا اور اسے اپنے بابا کی جان بچانے کے لیے وہاں تک جانا تھا۔ اس کا گھر مخالف سمت میں تھا، اس لیے اسے سڑک پر گاڑی کو موڑنا تھا۔ وہ کچی سڑک تھی، جس پر گاڑی کو نہایت احتیاط سے چلانا تھا۔ اسے اپنے بابا کی ہدایت یاد آ رہی تھیں:

"جو بھی کام کرو، صبر و سکون سے کرو۔ جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ کام کو چاہے پہلی بار کرو، دل لگا کر کرو اور بالکل صحیح کرو۔"

عاقل نے پک اپ کو گیئر میں ڈال دیا، اسٹیئرنگ کو گھمایا اور پھر ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ پک اپ نے جھٹکا کھایا اور آگے بڑھی اور مڑنے لگی۔ پھر عاقل نے اسے ریورس کیا تو اس کا پچھلا پہیا ایک گڑھے میں چلا گیا۔ عاقل نے جب پک اپ کو آگے بڑھایا تو پہیا تھوڑی دیر گڑھے میں

گھومنے کے بعد نکل آیا اور گاڑی سڑک پر چلنے لگی۔ وہ مشرق کی طرف جا رہا تھا، پھر اس نے رخ جنوب کی طرف کر دیا۔ یہ راستہ اس کے مکان کی طرف جاتا تھا۔

اگلے موڑ پر پہنچنے کے بعد اس نے غلط طریقے سے گاڑی موڑی تو پہلے وہ ایک گڑھے میں چلی گئی اور اس کے بعد خوف ناک طریقے پر اچھلی اور گڑھے سے نکلنے کے بعد خاردار تاروں کی ایک باڑھ سے جا کر ٹکرا گئی۔ چند لمحوں کے بعد ایک ہول ناک دھماکا ہوا اور گاڑی کا ایک اگلا ٹائر پھٹ گیا۔ عاقل گھبرا گیا۔

اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور پیشانی سے پسینا بہ رہا تھا۔ اس نے اسٹیرنگ کو موڑا تو اس کا رخ تبدیل ہو گیا۔ گاڑی نے ابھی تھوڑا سے فاصلہ طے کیا ہو گیا کہ عاقل کو ایک لمبی نالی دکھائی دی۔ کسان ایسی نالیاں نہر سے پانی کھیت تک پہنچانے کے لیے کھودتے ہیں۔ اس نے پھر اسٹیرنگ گھمایا تو گاڑی گھوم گئی اور اس کا اگلا پہیا اس نالی کے کنارے کو چھوتا ہوا مڑ گیا۔ اگر اس نے بروقت گاڑی کو نہ موڑا ہوتا تو وہ نالی میں جا کر اُلٹ جاتی۔

تھوڑا سا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد گاڑی مکان کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے بریک لگا کر گاڑی روکی، دروازہ کھول کر اُترا اور اپنی امی کو چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگا۔ وہ آگے گیا تو باورچی خانہ اسے خالی ملا۔ ایک چڑیا نے چھت کے قریب گھونسلا بنا لیا تھا۔ وہ چہچہا رہی تھی۔ عاقل دوڑ کر کمروں کی طرف گیا۔ وہاں بھی امی نہیں تھیں۔ صحن میں کھونٹے سے بکری کا بچہ بندھا کھڑا تھا، اسے دیکھ کر ممیانے لگا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ امی تو شام کو بازار سبزی خریدنے جاتی ہیں۔ چناں چہ اس نے بکس سے موبائل نکالا اور چاچا رحیم سولنگی کو فون کرنے لگا۔

دس منٹ کے بعد اس کے چاچا اپنی پک اپ میں آ گئے۔ عاقل مکان کے دروازے پر ہی کھڑا تھا۔ وہ دوڑ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی سارا واقعہ انھیں سنا دیا۔

اُدھر عاقل کے جانے کے بعد اس کے بابا کو ہوش آ گیا تھا۔ انھیں یاد آیا کہ جب ان کے

بیٹے نے ٹریکٹر کو پیچھے کیا تھا تو پہیے کا دھکا کھا کر وہیں گر گئے تھے۔ پھر زمین کھودنے والا آلا ان کی ران میں گڑ گیا تو وہ بے ہوش ہو گئے۔ اب انھوں نے اپنی جگہ سے اُٹھنا چاہا تو ممکن نہ ہوا۔ انھوں نے عاقل کو آواز دی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انھوں نے سر اُٹھا کر دیکھا، پک اپ کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی کو بلانے گیا ہے۔

پھر انھیں خیال آیا کہ وہ ہمت کر لیں تو خود ہی اپنے ٹریکٹر پر بیٹھ کر اسپتال چلے جائیں۔ وہ کوشش کر کے کھڑے ہو گئے۔ انھیں گہرے زخم آئے تھے، مگر اس کے باوجود وہ چیزوں کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ جب وہ ٹریکٹر کے قریب پہنچ گئے تو انھوں نے سوچا، وہ اسپتال تک نہیں جا سکیں گے۔ ہو سکتا ہے راستے میں پھر بے ہوش ہو جائیں۔ چناں چہ وہ ٹریکٹر میں بیٹھ کر سڑک تک گئے، پھر ٹریکٹر سے اُتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ ان کا حلق خشک ہو رہا تھا اور سانس دھیمی ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ان کا بھائی اور بیٹا آ گیا۔ ان کے بھائی رحیم نے کہا: ”آپ تو بہت زخمی ہیں، سڑک تک کیسے آ گئے؟“

”مجھے اسپتال لے چلو۔“ انھوں نے نقاہت سے کہا۔ اس کے سوال کا جواب وہ نہیں دے سکے۔

”شاید یہ مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے اسپتال کو فون کر دیا ہے۔ ایمبولینس آنے ہی والی ہوگی۔“

تھوڑی دیر بعد ایمبولینس آ گئی اور وہ سب اسپتال پہنچ گئے۔ جب عاقل کی امی کو خبر ہوئی تو وہ بھی اسپتال پہنچ گئیں۔ عاقل کو انتظار کرنے والے کمرے سے آگے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ بہت پریشان اور بے چین تھا اور اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کی شرارت سے اس کے بابا کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا۔ اس کا ننھا دل کانپ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور اس کی امی قریب آ گئیں۔ انھوں نے خوشی سے کانپتی آواز

میں کہا: ''اللہ کا شکر ہے۔ اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ وہ ایک ہفتے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے۔''

''امی! یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' عاقل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور ماں سے لپٹ گیا۔

''نہیں، ایسا نہیں کہتے۔'' انھوں نے اس کا سر تھپتھپایا: ''تم نے تو اپنی جرأت اور سمجھ داری سے ان کی جان بچائی ہے۔ تم بہت چھوٹے ہو، لیکن چھوٹے بھی حوصلے کریں تو بڑے کام کر جاتے ہیں۔ تم نے بہت دنوں پہلے صرف ایک بار پک اپ چلائی تھی، مگر جرأت مندی سے کام لے کر بڑی خوبی سے چلالی اور اللہ نے تمھیں کام یاب کر دیا۔ قدرت اپنے بندوں پر اس طرح بھی مہربان ہوتی ہے۔'' ☆

لاہور عجائب گھر کی سیر

نویرا بابر، لاہور

لاہور میوزیم کی سیر کے موقع پر ڈائرکٹر لاہور میوزیم محترمہ حمیرا عالم اور دیگر شرکا نونہالوں کے ساتھ

ہمدرد نونہال اسمبلی میں ہر مہینے جہاں بچوں کی ذہنی تربیت اور ان میں اعتماد پیدا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، وہاں مختلف آؤٹ ڈور معلوماتی پروگراموں کے ذریعے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تفریح کے مواقع بھی مہیا کیے جاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ماہ جولائی کے گرم مہینے میں ہمدرد نونہال اسمبلی، لاہور کے نونہالوں کو لاہور میوزیم کی سیر کرانے کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ وہ اپنے ورثے، اپنی ثقافت، تاریخ پاکستان اور تحریکِ پاکستان سے آگاہ ہو سکیں۔

جب ہم سب نونہال وہاں پہنچے تو ہماری ملاقات ڈائرکٹر لاہور میوزیم محترمہ

حمیرا عالم سے ہوئی۔ انھوں نے بہت شفقت سے ہمیں خوش آمدید کہا اور ٹھنڈے ہال نما کمرے میں مشروبات سے ہماری تواضع کی۔ نونہالوں نے محترمہ سے معلومات کا سلسلہ شروع کیا۔ سوالات کی شائستگی اور بچوں کا اعتماد اور نظم و ضبط دیکھ کر محترمہ نے خوش گوار حیرت کا اظہار کیا۔ نادر اشیا کے حصول کے سلسلے میں انھوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ماہرینِ آثارِ قدیمہ پر مشتمل ایک کمیٹی کام کرتی ہے، جو چیزوں کی تاریخ اور اہمیت کی تحقیق کرتی ہے۔ تمام نوادرات کا تحریری اور تصویری ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ فنڈز کی کمی کے باوجود ہم نوادرات کی نگہداشت اور حفاظت بین الاقوامی قوانین کے مطابق کرتے ہیں۔

ہمیں مختلف گیلریوں کی سیر بھی کرائی گئی۔ وہاں رکھی ہوئی تاریخی چیزوں کی اہمیت اور تاریخی حیثیت کے بارے میں بڑی تفصیل سے ہمیں آگاہ کیا گیا۔ اس میوزیم کی بلڈنگ پرانی ہونے کی وجہ سے یہاں ایئر کنڈیشن نہیں ہیں۔ سیر سے فارغ ہونے کے بعد انکل علی بخاری جو ہمارے ساتھ تھے، انھوں نے محترمہ ڈائرکٹر صاحبہ کے ساتھ گروپ فوٹو بنوائے۔ ہم سوچ رہے تھے کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہم پیارے بابا حکیم محمد سعید شہید کے گلستان ہمدرد کا حصہ ہیں۔ ہماری کامیابیاں اور مقام پیارے بابا کی اس فکر کا مظہر تھیں، جس سے وہ وطنِ عزیز کے نونہالوں کو آراستہ کرنا چاہتے تھے۔ آج ان کی لائق بیٹی محترمہ سعدیہ راشد ان کی سوچ کو پروان چڑھا رہی ہیں۔ پیارے بابا کے بعد ان کی دختر بھی ہم پر ماؤں کی طرح شفقت کرتی ہیں۔ ہمارے لبوں پر ایک ہی دعا ہے۔ پیارے بابا! اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رہے۔ انکل علی بخاری ہمیشہ ہماری راہنمائی کرتے رہیں۔ ہمدرد آپ کا شکریہ۔

☆☆☆

مسکراتی لکیریں

استاد: ''بتاؤ دولت اور محنت میں کیا فرق ہے؟''

شاگرد: ''جب ابو کسی کو قرض دیتے ہیں، وہ دولت ہے اور اسے واپس لینے کے لیے جو دھکے کھاتے ہیں، وہ محنت کہلاتی ہے۔''

مرسلہ : تحریم خان، بلال ٹاؤن

بلا عنوان انعامی کہانی

خلیل جبار

بادشاہ اپنے حسین ترین باغ میں ٹہل رہا تھا۔ وہ باغ خوب صورت پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس طرف بھی نظر اُٹھ جاتی، وہاں خوب صورت پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے۔ ایک پھول کو دیکھ کر وہ مچل اُٹھا اور بے اختیار اس کی طرف بڑھا اور اس پھول کو توڑ لیا۔ ابھی بادشاہ اس پھول کی خوشبو سونگھ بھی نہ پایا تھا کہ ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور پھول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں اُڑتا ہوا ایک فقیر کی جھولی میں جا گرا۔ وہ فقیر کی طرف بڑھا تا کہ اس سے پھول لے سکے، مگر جب بادشاہ نے فقیر کی جھولی میں دیکھا تو پھول غائب تھا۔ فقیر نے بادشاہ کو غمگین دیکھ کر اپنی جھولی میں ہاتھ ڈالا اور بادشاہ کی طرف بڑھایا۔ بادشاہ نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کی جانب پھیلایا۔ بادشاہ نے جو اپنے ہاتھ کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کے ہاتھ پر انتہائی خوب صورت لعل تھا۔ بادشاہ نے جیسے ہی ہتھیلی پر سے نظریں ہٹا کر فقیر کو دیکھا تو اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ فقیر غائب ہو چکا تھا۔ اچانک بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے بستر پر تھا۔

"اوہ! یہ خواب تھا۔" بادشاہ نے اپنے آپ سے کہا۔

صبح دربار میں تخت پر بیٹھتے ہی بادشاہ کو رات کا خواب یاد آگیا اور وہ اس خواب کی تعبیر جاننے کے لیے بے چین ہوگیا۔ خواب کی تعبیر بتانے والوں نے آپس میں مشورے کیے اور پھر ان میں سے ایک بزرگ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا: "بادشاہ سلامت! خواب بہت اچھا ہے۔ اس خواب کی تعبیر کے مطابق آپ کی کوئی بہت بڑی دلی خواہش ہے، جو پوری ہوجائے گی، لیکن اس خواہش کے پوری ہونے سے پہلے کوئی بُری خبر ملے گی۔"

بادشاہ نے سب نجومیوں کو شاہی خزانے سے قیمتی جواہرات انعام میں دیے۔

بادشاہ کی ایک بیٹی تھی۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ اس کا کوئی لڑکا ہوتا، جو ملک پر حکومت کرتا، مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ بادشاہ اپنی بیٹی نور سے بہت محبت کرتا تھا۔ شہزادی نور کو سیر وتفریح کا بہت شوق تھا۔ ایک دن وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا کی سیر کرتی ہوئی بہت دور نکل گئی۔ شہزادی نور کو دریا کے کنارے چلنا اچھا لگ رہا تھا۔ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور لڑھکتی ہوئی نیچے گر پڑی۔ اس کا سر ایک بڑے سے پتھر سے ٹکرایا۔ سر پر چوٹ لگتے ہی وہ بے ہوش ہوگئی۔

دریا بہت گہرا اور چوڑا تھا۔ بارشوں کی وجہ سے دریا میں پانی زیادہ تھا اور پانی میں بہت روانی تھی۔ پانی شہزادی نور کو بہا کر دور لے گیا۔ شہزادی نور کی سہیلیاں دور سے یہ منظر دیکھ کر شہزادی نور کی مدد کو دوڑیں، ان کے شور مچانے پر شاہی محافظ دوڑتے ہوئے پہنچے اور انھوں نے پانی میں چھلانگ لگا کر شہزادی نور کو پانی میں تلاش کرنا شروع کردیا، مگر شہزادی کا دور دور تک کچھ پتا نہ چل سکا۔ سب ناکام ہو کر واپس آگئے۔ بادشاہ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اس کا صدمے سے بُرا حال ہوگیا۔ بادشاہ نے شہزادی نور کو تلاش کرنے کے لیے ماہر تیراک بھیجے اور شہزادی کو ڈھونڈنے والے کو بڑا انعام دینے کا اعلان کردیا، مگر بہت دن گزر گئے اور کوئی کام یاب نہ ہوسکا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، بادشاہ کے اس صدمے کا اثر کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ بادشاہ نے

اس صدمے کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر قبول کرلیا تھا۔

شہزادی نور کے سر پر گہری چوٹ لگی تھی، اس لیے وہ بے ہوشی کی حالت میں دریا کے پانی میں بہتی ہوئی سرحد پار ایک جنگل کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئی۔

گاؤں کے لوگوں نے اسے پانی سے نکالا اور جب اسے بے ہوش دیکھا تو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے، لیکن وہ جب ہوش میں نہ آئی تو وہ سمجھے کہ شاید یہ لڑکی مر چکی ہے۔

اسی وقت ایک نوجوان فقیر وہاں آنکلا۔ اس نے جو لڑکی کی یہ حالت دیکھی تو آگے بڑھا اور اس کی نبض دیکھ کر بولا: "یہ لڑکی زندہ ہے۔ میں اس لڑکی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ یہ ہوش میں آجائے تو اچھی بات ہے۔" خدا کی قدرت کہ فقیر نے دعا کی اور اُدھر لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔

شہزادی نور نے پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

ایک بزرگ نے کہا: "بیٹی! تم اس وقت ہمارے گاؤں میں ہو۔ تم بتاؤ کہ تم کون ہو اور دریا میں کیسے گریں؟ تم کہاں کی رہنے والی ہو؟ تمھارے لباس سے لگتا ہے، تم کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔"

شہزادی نور سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔ اس کو کچھ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس کا نام کیا ہے، کہاں کی رہنے والی ہے۔ وہ کچھ نہیں بتا سکی۔

''بیٹی! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تمھیں خود نہیں معلوم کہ تم کون ہو، اس لیے ہم تمھارے گھر والوں کے پاس تمھیں پہنچا نہیں سکتے۔ تمھیں ابھی بڑی لمبی عمر گزارنی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو ہم تمھاری شادی اس فقیر سے کرا دیں، جس کی دعا سے تم کو نئی زندگی ملی ہے۔'' اس بزرگ نے پوچھا۔

شہزادی نور نے ایک نظر نوجوان فقیر کو دیکھا اور ہامی بھر لی۔ اس وقت ایک مولوی کو بلا کر ان کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ نوجوان فقیر جس کا نام عبداللہ تھا، اس کا گاؤں میں کوئی گھر نہیں تھا۔ جنگل میں ایک جھونپڑی تھی، جس میں تنہا رہتا تھا۔ وہ جنگل سے سوکھی لکڑیاں اور پھل لے جا کر گاؤں میں فروخت کرتا اور اپنی جھونپڑی میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رات گئے تک مشغول رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے شہزادی کو ایک خوب صورت سا بیٹا عطا کیا، جس کا نام دونوں نے باہمی مشورے سے رستم رکھ دیا۔ شہزادی اس کی معصوم حرکتوں کو دیکھ کر خوش رہتی تھی۔ جیسے جیسے رستم بڑا ہوتا جا رہا تھا، اس کا چہرہ اپنے نانا یعنی بادشاہ سے بہت ملتا جا رہا تھا۔ شہزادی نور، رستم کو کبھی کبھی دیکھ کر حیران بھی ہوتی تھی کہ یہ چہرہ اُسے جانا پہچانا سا کیوں لگتا ہے۔ ایسا کیوں لگتا ہے کہ وہ اس چہرے کو بہت پہلے سے جانتی ہے، لیکن اسے یاد نہیں آتا تھا کہ یہ چہرہ اس نے کہاں دیکھا ہے۔

دن گزرتے گئے اور رستم اٹھارہ سال کا ہو گیا۔ وہ جنگل میں تیر کمان لے کر نکل جاتا اور شکار کرتا تھا۔ اس طرح دو سال اور بیت گئے اور رستم بیس سال کا خوب صورت جوان بن گیا۔

ایک دن بادشاہ شکار کرتے ہوئے اپنے ملک کی سرحد عبور کر کے جنگل میں اس

طرف آ نکلا، جہاں رستم ایک پتھر پر بیٹھا دھوپ کھا رہا تھا۔ بادشاہ کی رستم پر نظر پڑی تو وہ چونک گیا۔ وہ بادشاہ کی جوانی کا بھرپور عکس تھا۔ بادشاہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی اپنے ہم شکل کو دیکھ رہا ہے۔

''اے نوجوان! تم کون ہو؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

رستم سپاہیوں اور بادشاہ کے لباس سے سمجھ گیا تھا کہ یہ بادشاہ سلامت ہی ہو سکتے ہیں، اس لیے بولا: ''بادشاہ سلامت! میں ایک غریب لکڑہارے کا بیٹا رستم ہوں اور نزدیک ہی ہماری جھونپڑی ہے۔''

''ہم تمھارے والد سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا۔

''آئیے، میں اپنے والد سے ملاقات کرا دیتا ہوں۔'' رستم نے کہا۔

رستم، بادشاہ کو لے کر اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔ عبداللہ نے جو بادشاہ کو دیکھا تو وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا: ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمھارے بیٹے کی شکل مجھ سے کیوں مل رہی ہے اور تمھاری شادی کس خاندان میں ہوئی تھی؟''

عبداللہ نے کہا: ''بادشاہ سلامت! میری جس لڑکی سے شادی ہوئی تھی، میں اس کے خاندان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اتنا پتا ہے کہ یہ دریا میں بہتی ہوئی یہاں سے قریب ایک گاؤں میں پہنچ گئی تھی۔ وہ بے ہوش تھی۔ ہوش میں آئی تو پتا چلا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔ گاؤں والوں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کی شادی مجھ سے کرا دی جائے۔ اس طرح اس لڑکی سے میری شادی ہو گئی۔ رستم ہمارا ہی بیٹا ہے۔ اس کی شکل آپ سے کیوں ملتی ہے، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں لڑکے کی ماں کو بلاتا ہوں۔

عبداللہ اُٹھا اور اپنی بیوی کو لے کر آ گیا۔ شہزادی نور نے اجنبی نگاہوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا پھر شاید اسے چکر سا آ گیا اور وہ زمین پر گر پڑی۔ گرتے وقت چارپائی کی

لکڑی اس کے سر پر لگی تھی۔ بادشاہ تڑپ کر آگے بڑھا، لیکن اس سے پہلے عبداللہ نے اسے سنبھال لیا۔ شہزادی بے ہوش تھی۔ رستم نے ماں کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تو کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بادشاہ کو دیکھ کر وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ اس کی یادداشت واپس آ چکی تھی۔ خوشی سے دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر دونوں کی یہی کیفیت رہی۔ آخر بادشاہ نے اپنے ذہن کو تیار کر لیا اور عبداللہ سے کہا: ''اب تم تینوں ہمارے ساتھ محل میں رہو گے۔''

خوددار عبداللہ بادشاہ کے ساتھ شاہی محل جانے کو تیار نہ تھا، لیکن وہ بادشاہ کی خواہش رد بھی نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ وہ جان چکا تھا کہ وہ بادشاہ کا داماد اور اس کا بیٹا بادشاہ کا نواسا ہے۔ بادشاہ کے اصرار پر وہ شاہی محل میں رہنے پر راضی ہو گیا۔ بادشاہ نے عبداللہ کی ذہانت اور نیک دلی دیکھ کر حکومت کے مذہبی اور فلاحی معاملات اس کے سپرد کر دیے۔ ذہانت اور صلاحیت کے لیے انسان کا دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے۔ بادشاہ نے رستم کو قابل استادوں سے تعلیم دلوائی اور اسے حکمرانی کی اونچ نیچ سمجھانے کے بعد بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۷۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-ستمبر ۲۰۱۲ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

انعامی سلسلہ ۲۰۱

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول سولہ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک سو روپے نقد حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ ستمبر ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضور اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب .... میں شہید ہوئے۔ (غزوۂ بدر۔ غزوۂ احد۔ غزوۂ خندق)

۲۔ دشمنِ اسلام ابولہب حضور اکرمؐ کا .... تھا۔ (چچا ۔ ماموں ۔ خالو)

۳۔ ایران کے مشہور افسانوی پہلوان اور جرنیل رستم کے بیٹے کا نام .... تھا۔ (افراسیاب۔ مہراب۔ سہراب)

۴۔ لودھی خاندان کا پہلا بادشاہ .... تھا۔ (سکندر لودھی ۔ ابراہیم لودھی ۔ بہلول لودھی)

۵۔ مغل بادشاہ جہانگیر کی بیوی نور جہاں مرزا غیاث بیگ کی .... تھی۔ (بیٹی ۔ بہن ۔ بھانجی)

۶۔ اسلامی ملک یمن براعظم .... میں واقع ہے۔ (یورپ ۔ ایشیا ۔ افریقا)

۷۔ پاکستان کے سب سے پہلے سکے اپریل .... میں جاری کیے گئے تھے۔ (۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء۔ ۱۹۵۲ء)

۸۔ پاکستان میں کھیوڑہ کا علاقہ .... کی کانوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ (ہیرے ۔ سونے ۔ نمک)

۹۔ ممتاز اور مشہور ادیب علامہ راشد الخیری کو .... کہا جاتا ہے۔ (مصورِ فطرت۔ مصورِ حقیقت۔ مصورِ غم)

۱۰۔ اردو کے مشہور شاعر .... کا اصل نام عطا محمد تھا۔ (سلام مچھلی شہری۔ گستاخ رامپوری۔ حاجی لق لق)

۱۱۔ ابراہام لنکن نے ۱۸۶۳ء میں امریکا سے .... ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ (مہنگائی۔ غلامی۔ سگرٹ نوشی)

۱۲۔ جو چیزیں پینے کے بجائے کھائی جائیں، انھیں .... بھی کہا جاتا ہے۔ (مشروبات۔ ماکولات۔ مولات)

۱۳۔ "ASTROLOGER" انگریزی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (نجومی ۔ پنساری ۔ حلوائی)

۱۴۔ آلٹی میٹر .... ناپنے والے آلے کو کہتے ہیں۔ (بلندی ۔ گہرائی ۔ رفتار)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: "جوتیوں میں .... بٹنا۔" (لعل ۔ مال ۔ دال)

۱۶۔ اصغر گونڈوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی .... ہو جائے

(بیکار ۔ دشوار ۔ آزار)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۰۱ (ستمبر ۲۰۱۲ء)

نام : ....

پتا : ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ ستمبر ۲۰۱۲ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (ستمبر ۲۰۱۲ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ ستمبر ۲۰۱۲ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکا دیجیے۔

ہنسی گھر

ایک صنعت کار کو جب کاروبار میں خوب منافع ہوا تو اس نے اپنے منیجر کو بلا کر اسے بڑی رقم کا چیک دیا اور بولا: ''تمھاری کارکردگی اور محنت دیکھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں۔ یہ لو، اپنا انعام۔''

منیجر نے چیک لے کر شکریہ ادا کیا اور کمرے سے جانے لگا تو مالک نے کہا: ''اسے سنبھال کر رکھنا، اگر کمپنی کو آیندہ سال بھی اتنا ہی منافع ہوا تو اس پر دستخط بھی کر دوں گا۔''

مرسلہ: حسن مجاہد محمود، کراچی

ایک شخص نئی موٹر سائیکل کی دکان میں داخل ہوا اور کہنے لگا: ''مجھے ایک نئی موٹر سائیکل خریدنی ہے۔''

سیلز مین اس کے لباس اور حلیے کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہ یہ بھکاری موٹر سائیکل کیسے خریدے گا۔

اسے ہنستا دیکھ کر وہ شخص بُرا مان کر بولا: ''یہ لو چالیس ہزار روپے۔''

سیلز مین حیرت سے اسے دیکھنے لگا تو بھکاری نے کہا: ''دراصل وہ جگہ بہت دور ہے جہاں میں بھیک مانگتا ہوں، اس لیے ایک موٹر سائیکل خریدنا چاہتا ہوں۔''

مرسلہ: سرمد خالد، دستگیر سوسائٹی

جاپان کا ایک پھانسی گھر ایک دریا کے قریب تھا۔ مجرم کو پھانسی دینے کے بعد لاش دریا میں بہادی جاتی تھی۔ دو مجرموں کو پھانسی دی جا رہی تھی۔ ایک کے گلے میں پھندا ڈال کر تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ مجرم کی خوش بختی کہ پھندا ڈھیلا رہ گیا۔ چناں چہ اس نے پھندا اُتار پھینکا اور دریا میں چھلانگ لگا کر فرار ہو گیا۔

دوسرا مجرم جسے پھانسی دی جانے والی تھی، یہ دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ جلاد نے اس کی کپکپاہٹ کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: ''پھندا ذرا مضبوطی سے لگانا، مجھے تیرنا نہیں آتا۔''

مرسلہ: ناجیہ وسیم، فیڈرل بی ایریا

راستے میں ایک پروفیسر کی اپنے ایک دوست سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کھڑے پندرہ، بیس منٹ تک باتیں کرتے رہے پھر وہ

ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

''ذرا ایک منٹ کے لیے رکیے۔''

پروفیسر صاحب مڑ کر دوست سے مخاطب ہوئے: ''جب آپ سے ملا تھا تو میں کس طرف سے آرہا تھا؟''

دوسرے نے ایک طرف اشارہ کیا: ''آپ ہوٹل کی طرف سے آرہے تھے۔''

''اوہ شکریہ! اس کا مطلب ہے میں لنچ کر چکا ہوں۔''

مرسلہ : مریم ظفر، ملیر

😊 ایک گھر میں شادی کی تقریب تھی کہ اچانک ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا: ''بھاگ جاؤ، اس گھر میں ایک بم ہے۔''

گھر میں بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ ہی دیر میں گھر خالی ہوگیا۔ جیسے ہی گھر خالی ہوا، ایک شخص نے اپنے نوکر سے چیختے ہوئے کہا: ''چھوٹو! گھر کو فوراً تالا لگاؤ، کرائے داروں نے کئی مہینوں سے قبضہ کر رکھا ہے۔''

مرسلہ : ہمایوں طارق، ملتان

😊 ایک آدمی کا قد اپنی بیوی سے بہت چھوٹا تھا۔ ایک دن وہ بیوی سے لڑ کر باہر نکل گیا۔ راستے میں اسے اپنا سالا ملا۔ سالے نے پوچھا: ''خیریت تو ہے دولہا بھائی!''

وہ شخص بولا: ''اپنی بہن کو سمجھا لو ورنہ کسی دن سیڑھی پر چڑھ کر اتنا پیٹوں گا کہ مزاج درست ہو جائے گا۔''

مرسلہ : مہک اکرم، غریب آباد

😊 ایک ریسٹورنٹ میں گاہک نے شکایت کی: ''مسلسل چالیس منٹ ہوگئے، میں یہ گوشت کا ٹکڑا کاٹنے کی کوشش میں لگا ہوں، مگر ناکام ہوں۔''

ویٹر نے جواب دیا: ''آپ پریشان نہ ہوں، ریسٹورنٹ ایک بجے تک کھلا رہے گا۔''

مرسلہ : افشاں ناز، لیاقت آباد

😊 ایک شخص اپنے آپ کو قیافہ شناسی کا ماہر کہتا تھا۔ وہ لوگوں کی کھوپڑیوں کے اُبھار اور گومڑے ٹٹول کر، اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر رائے دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک دوست کے سر پر گومڑا دیکھ کر اس نے کہا: ''تمھارے سر پر یہ اُبھار، اس بات کی علامت ہے کہ تمھیں بچوں سے بہت محبت ہے۔''

دوست نے مسکرا کر کہا: ''بے شک تم

بالکل سچ کہتے ہو۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں کل شام مجھے تمھارے لڑکے نے گیند ماری تھی۔''

مرسلہ : ردا خان، حیدر آباد

😊 جج پہلے ملزم سے: ''تم کو عدالت میں کس لیے لایا گیا ہے؟''

ملزم: ''حضور! میں فُٹ بال سے کھیل رہا تھا۔''

جج (دوسرے ملزم سے): تم عدالت میں کس لیے لائے گئے ہو؟''

ملزم: ''حضور! میں بھی فُٹ بال سے کھیل رہا تھا۔''

جج (تیسرے ملزم سے): اور تم کیوں آئے ہو؟''

ملزم: ''حضور! وہ فُٹ بال میں ہی تھا۔''

مرسلہ : اُم ثناء، چکوال

😊 چھٹی جماعت میں اردو کا ایک سوال آیا۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے فقروں میں استعمال کرو: ''کشمکش، مطالعہ، مضائقہ۔

ایک طالب علم نے ایک ہی جملے میں تینوں الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی: ''مطالعے سے پتا چلا کہ حلوے میں کشمکش جتنی زیادہ ہو مضائقہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔''

مرسلہ : صبا عبدالستار شیخ، شکار پور

😊 کرائے دار (مالک مکان سے) ''میں اس مہینے کا کرایہ ادا نہ کرسکوں گا۔''

مالک مکان: ''آپ نے پچھلے مہینے بھی یہی کہا تھا۔''

کرائے دار: ''جناب! انسان کی زبان ایک ہونی چاہیے اور میں اب بھی اپنی زبان پر قائم ہوں۔''

مرسلہ : واجد نگینوی، کراچی

😊 امی ناصر سے: ''میں تمھیں ایک کام کے لیے بازار بھیجنا چاہتی ہوں۔''

ناصر: ''میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں، نہیں جا سکتا۔''

امی: ''میں تمھیں مٹھائی کی دکان تک بھیجنا چاہتی ہوں۔''

ناصر خوش ہو کر: ''وہ تو زیادہ دور نہیں۔''

امی: ''مٹھائی کی دکان کے پاس ہی ایک جھاڑو والا بیٹھا ہے، اس سے جھاڑو لے آؤ۔''

مرسلہ : محمد جعفر، گروٹ

☆☆☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جولائی ۲۰۱۲ء کے بارے میں ہیں

❁ سرورق پر صائم خان کا معصوم چہرہ بہت بھایا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہت ہی اہم اور مفید ہوتی ہیں۔ نعتِ رسولِ مقبولؐ (حمیرا سید) بہت خوب صورت نظم ہے۔ روشن خیالات اپنے نام کی طرح روشن تھے۔ پاکستان کی تاریخی یادگاریں (افضال احمد خاں)، نونہال خبر نامہ، ملا نصر الدین حوجہ معلوماتی تحریریں تھیں۔ دردمند شانزہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مسکراتی لکیریں اور ہنسی گھر پڑھ کر مسکراہٹ لبوں پر آگئی۔ ہنڈ کلیا ایک اچھا سلسلہ ہے۔ نونہال مصور میں ویدا ریاض اور حریم خالد کی ڈرائنگ اچھی لگی۔ بیت بازی میں تمام اشعار اچھے تھے۔ علم دریچے اور نونہال ادیب کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ کہانیوں میں سو برس کی نانی (مصطفےٰ ہاشمی) سپر ہٹ تھی۔ اس کے علاوہ بے مانگا انعام (منظر عارفی)، بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی)، راستے کا پتھر (ڈاکٹر وقار احمد زبیری)، کام یابی کا راز (محمد نعیم عالم)، بلاعنوان انعامی کہانی (ڈاکٹر عمران مشتاق)، جنگل نیوز (محمد طارق) کی بہت ہی زیادہ سبق آموز اور مزے دار تھیں۔ لائبہ جنت درانی، راجن پور۔

❁ جولائی کا شمارہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا رہا۔ کہانیوں میں بے مانگا انعام بہترین کہانی تھی۔ دیگر کہانیوں میں راستے کا پتھر، بادشاہ بوری میں اور سو برس کی نانی بہت پسند آئیں۔ دیگر مستقل سلسلے بھی زبردست تھے۔ محمد بلال رضا، حسن ابدال۔

❁ جولائی کا رسالہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ انکل! آپ اپنے رسالے کی چھپائی کی تعداد تھوڑی زیادہ کریں، کیوں کہ جب ہم یکم یا دو تاریخ کو بازار جاتے ہیں تو رسالے کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ بلال حسین، اسلام آباد۔

> اللہ کا شکر ہے کہ آپ کے ہمدرد نونہال کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے۔ اچھا ہم اس کو اور زیادہ تعداد میں چھاپا کریں گے۔ ویسے آپ بھی بازار سے ذرا جلدی رسالہ منگوالیا کریں۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت پسند آیا۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی سے ہم کو بہت نصیحت ملی کہ غرور اور تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ نعت رسول مقبولؐ، اللہ کا مہینا، مچھر (نظم)، بادشاہ بوری میں، راستے کا پتھر، سو برس کی نانی، کام یابی کا راز، ہنسی گھر، نونہال لغت، ہنڈ کلیا، آؤ پیار کی شمع جلائیں (نظم) اور سب کچھ بہت اچھا تھا۔ مائرہ مشتاق، کراچی۔

❁ کہانیوں میں سو برس کی نانی، بادشاہ بوری میں، جنگل نیوز بہت اچھی لگی۔ راستے کا پتھر بھی اچھی کہانی تھی۔ رفعت بتول، جھاوریاں۔

❁ انکل! جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر سو برس کی نانی، بادشاہ بوری میں، راستے کا پتھر اور بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ فاطمہ شفقت، کراچی۔

❁ جولائی کے شمارے میں جاگو جگاؤ کے تحت قانون کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، لیکن ہمیں ملا نصر الدین کے بارے میں کافی معلومات ملی۔ آؤ! پیار کی شمع جلائیں (حکیم خاں حکیم) کی نظم بہت پیاری لگی۔ انکل! آپ سے پوچھنا ہے کہ پہلے ہمارا قومی پرندے کا نام شاہین لکھا اور سنا جاتا تھا اور اب ہم نے پڑھا قومی پرندے کا نام چکور ہے۔ کیا یہ ایک ہی پرندہ ہے؟ اور مصحف کے کیا معنی ہیں اور کس زبان کا لفظ ہے؟ میں نے ایک جگہ پڑھا قرآن کو مصحف کہتے ہیں۔ عاصمہ عبدالحمید راٹھور، میر پور خاص۔

> ہمارا قومی پرندہ ''چکور'' کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ ''مصحف'' قرآن مجید کو کہتے ہیں۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔

❁ ہمدرد نونہال میں معلومات اور مزے مزے کی کہانیاں اور سائنس و علمی مضامین بہت اچھے اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ خاص طور پر حکیم محمد سعید کی تحریریں بہت اچھی لگتی ہیں۔ ان کی باتوں سے بچوں اور بڑوں دونوں کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمدرد نونہال پورے پاکستان کا ایک مقبول ترین رسالہ ہے اور ہر جگہ اپنے آپ کو پڑھوالیتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ ہی وہ رسالہ ہے جو حقیقی معنوں میں ''واہ وا'' کا مستحق ہے۔ اسد شریف، کھپرو۔

❁ تازہ شمارہ سرورق سے لے کر نونہال لغت تک بہترین تھا۔ سیدہ زہرہ امام، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال کے بہت سے شمارے نہیں پڑھ سکا، لیکن اب پھر سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا ہے۔ ہمارا پسندیدہ رسالہ آج بھی سب سے بہترین ہے۔ پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ معلومات میں بھی بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ جمال اعزاز، تربت۔

❁ سرورق بہت جاذبِ نظر تھا۔ کہانیوں میں بے مانگا انعام، راستے کا پتھر اور کام یابی کا راز نے ہمارے دل جیت لیے۔ ڈاکٹر عمران مشتاق کی بلاعنوان کہانی بہت سبق آموز اور تجسس سے بھرپور تھی۔ حمیرا سید کی نعتِ رسولِ مقبولؐ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر گئی۔ نظموں میں مچھر، خاص نمبر اور آؤ پیار کی شمع جلائیں معیار کی بلندیوں پر تھیں۔ رمضان المبارک کے حوالے سے عتیق الرحمٰن صدیقی کی تحریر اللہ کا مہینا بہت پُر اثر تھی۔ نونہال ادیب کی کہانیوں میں وسیم عنایت کی تحریر ''استاد کی عظمت'' سید مبین فاطمہ عابدی کی ''وقت اور محبت'' اور ''نیکی کا انعام'' دل کو بہت بھا گئیں۔ راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ راجپوت، راجا فرخ حیات، راجا عظمت حیات، پنڈ دادن خان۔

❁ بلاعنوان کہانی بہت دل چسپ اور سبق آموز تھی۔ حکیم خاں حکیم کی نظم ''آؤ پیار کی شمع جلائیں'' ہمیں پیار و محبت کے ساتھ رہنے اور نفرت کو دور بھگانے کا درس دے رہی تھی۔ افضال احمد خاں کی تحریر پاکستان کی تاریخی یادگاریں معلومات کا بھرپور خزانہ تھی۔ ہنسی گھر کے لطائف پڑھ کر ہم لوٹ پوٹ ہو گئے۔ بیت بازی کے تمام اشعار بہت زبردست تھے۔ عائشہ ثاقب جنجوعہ عاشی، نائحہ ثاقب جنجوعہ، صدف ثاقب جنجوعہ، پنڈ دادن خان۔

❁ جولائی کا شمارہ لاجواب تھا۔ کہانی بے مانگا انعام پہلے نمبر پر رہی۔ اس کے علاوہ سو برس کی نانی، بلاعنوان کہانی اور بادشاہ بوری میں بھی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ جنگل نیوز بہت مزے دار کہانی تھی۔ **ہمایوں طارق، اسامہ طارق، ملتان۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ ساری کہانیاں مزے دار تھیں۔ بہت بہت شکریہ۔ **لیلیٰ ناز، محمد عظیم، ناظم آباد، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ اچھا لگا۔ بے مانگا انعام سب سے بہترین کہانی تھی۔ اس کے علاوہ راستے کا پتھر اور کام یابی کا راز بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ علم دریچے اور ہنسی گھر ہر بار کی طرح بہت پسند آئے۔ **محمد اعظم مغل، ڈگری۔**

❁ اس مہینے کا خیال پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ انکل! آپ کی تحریر کا انداز ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔ ماشاء اللہ آپ ہر موضوع پر لکھنا خوب جانتے ہیں۔ جولائی کے شمارے کی تمام کہانیاں سپرہٹ تھیں اور نصیحت آموز بھی۔ نصیحت کے حوالے سے بلاعنوان کہانی (ڈاکٹر عمران مشتاق)، سو برس کی نانی (مصطفےٰ ہاشمی) بازی لے گئیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے پڑھ کر ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہوگیا۔ **پارس فدا حسین کیریو، کراچی۔**

❁ ہمیشہ کی طرح جولائی کا شمارہ بھی بہت زبردست رہا۔ سب کہانیوں پر انعام دینے کو جی چاہتا ہے۔ سب سے زبردست کہانی سو برس کی نانی لگی۔ اس کے علاوہ کام یابی کا راز، راستے کا پتھر، بے مانگا انعام بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر کچھ خاص نہیں تھا۔ میں سب سے پہلے پہلی بات (مسعود احمد برکاتی) پڑھتی ہوں۔ انکل! آپ کا طرزِ تحریر بہت اچھا لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سامنے بیٹھا ہوا قصہ سنا رہا ہو۔ **کرن فدا حسین کیریو، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال شمارہ جولائی خوب صورت کتاب اور خوب صورت خط کے ساتھ موصول ہوگیا۔ شمارے میں اپنی نظم پاکر بہت خوشی ہوئی۔ ادارہ ہمدرد نونہال کی ماشاء اللہ یہ بہت اچھی روایت ہے کہ نونہال ادیب میں جس نونہال کی بھی تحریر شائع ہوتی ہے وہ شمارہ بذریعہ ڈاک بہ طور انعام اور محترمہ سعدیہ راشد کے خوب صورت مشوروں والے خط کے ساتھ ارسال کیا جاتا ہے۔ آپ کا یہ اقدام قابلِ تعریف اور دادِ تحسین کے لائق ہے۔ میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ ماشاء اللہ شمارہ اپنی مثال آپ ہے۔ انکل! قیمت میں اضافہ ناقابلِ برداشت ہے۔ ۳۰ رپے قیمت ٹھیک ہی تھی۔ انکل! باجی محترمہ سعدیہ راشد کے شوہر کا نام کیا ہے؟ **ایس ایم ذیشان شیرازی، ملتان۔**

محترمہ سعدیہ راشد کے شوہر کا نام ''راشد منیر احمد'' ہے۔

❁ ہم سب بہن بھائی بہت شوق سے نونہال پڑھتے ہیں۔ تازہ شمارہ بہت ہی شان دار تھا۔ **عائشہ عبدالصمد، فیصل آباد۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں سو برس کی نانی، بے مانگا انعام، کام یابی کا راز پسند آئیں۔ **عبدالرزاق ٹالانی، جیکب آباد۔**

❁ ''ہمدرد نونہال'' واہ وا تیرے کیا کہنے، تیرے جلوے سب سے اعلا، تیری شان سب سے نرالی، دل کو موہ لینے والی، جیسا تُو ہے ویسا شاید ہی کوئی اور ہو۔ ہر ورق تعریف کے قابل ہے۔ **محمد خرم خالد، کراچی۔**

❁ کہانیاں بہت اچھی تھیں، مگر بے مانگا انعام اور سو برس کی نانی نہایت لاجواب اور منفرد تحریریں تھیں۔ انکل! میں سرورق کے لیے تصویر بھیجنا چاہتی ہوں۔ **جویریہ حفیظ نیازی۔**

اپنا مکمل پتا لکھیے تاکہ ہدایت نامہ برائے اشاعت تصویر بھیجا جاسکے۔ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ہمیں اٹھارہ یا زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک مل جائے۔

❁ جولائی کا شمارہ خوب صورت سرورق لیے ہوئے تھا۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ میں ہمیشہ کی طرح اچھی تحریریں تھیں۔ بے مانگا انعام ایک زبردست کہانی تھی۔ علم ذریعۂ دولت نہیں، بلکہ علم تو خود ایک دولت ہے۔ کاش ہم علم کی بنیاد کو سمجھ سکیں۔ بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی) کی عمدہ تحریر تھی۔ جنگل نیوز بھی ایک منفرد کہانی تھی اور سب سے زیادہ جو کہانی پسند آئی وہ بلاعنوان کہانی تھی۔ **محمد اسماعیل اجاگر، توقیر احمد، اٹک۔**

❁ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ سبھی کہانیاں زبردست تھیں۔ ہنسی گھر پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ **محمد طلحہٰ مغل، ڈگری۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ہر کہانی بے مثال تھی۔ خاص طور پر بادشاہ بوری میں، کام یابی کا راز، بے مانگا انعام، سو برس کی نانی اچھی کہانیاں تھیں۔ **ساجد فاروق، شورکوٹ۔**

❁ جولائی کا شمارہ دل کو بھا گیا۔ کہانیوں میں خاص طور پر بے مانگا انعام، سو برس کی نانی، راستے کا پتھر، کام یابی کا راز اور بلاعنوان انعامی کہانی نہایت سبق آموز کہانیاں تھیں۔ مضمون ''اللہ کا مہینا'' سے بہت سبق ملا۔ سارا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ **سجاد علی، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے میں پاکستان کی تاریخی یادگاریں بہت زبردست تحریر تھی۔ کہانیوں میں بے مانگا انعام نمبر ون پر رہی۔ سو برس کی نانی دوسرے نمبر پر رہی۔ نونہال ادیب میں استاد کی عظمت اور وقت اور محنت بہت اچھی رہی۔ رسالے میں پہیلیاں بھی شامل کیا کریں۔ **سنبل ماہین، سرگودھا۔**

❁ جولائی کے شمارے میں بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی) بہت زبردست رہی۔ اس کے علاوہ بے مانگا انعام (منظر عارفی) بھی اچھی تھی۔ **عروج طلحہٰ، سرگودھا۔**

❁ کہانیوں میں راستے کا پتھر، بادشاہ بوری میں اور بے مانگا انعام بہت پسند آئیں۔ **محمد سلمان میگھانی، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ ہنسی گھر بھی اچھا لگا۔ **سیدہ نمیرا مسعود، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے میں تمام ہی تحریریں زبردست تھیں، لیکن بے مانگا انعام (منظر عارفی) اور سو برس کی نانی (مصطفےٰ ہاشمی) بہت پسند آئیں۔ **نعمان عبدالکریم، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت خوب تھا۔ نعتِ رسولِ مقبولؐ نے تو دل چھو لیا۔ مچھر (نظم) بھی لاجواب تھی۔ کہانی جنگل نیوز بہت خوب تھی۔ نونہال کا ہر شمارہ زبردست ہوتا ہے۔ **اریحا نوید فاطمہ، کراچی۔**

❁ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ پہلی بات میں اس مہینے کا خیال

بہت پسند آیا۔ معلومات افزا کے سوالات آسان لگے۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ کہانیوں میں بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی)، سو برس کی نانی (مصطفٰے ہاشمی)، بے مانگا انعام (منظر عارفی) بہت پسند آئیں۔ لطائف بھی مزے دار تھے۔ عبداللہ بن نعیم، جہلم۔

❁ ہمیشہ کی طرح جولائی کا شمارہ بھی بہت خوب رہا۔ تمام سلسلے عمدہ اور قابلِ تعریف تھے۔ ہنڈکلیا میں پکوان کی تراکیب بہت ہی اچھی تھیں۔ علم دریچے ہمیشہ کی طرح بہت معیاری اور اچھا رہا۔ یہ وہ سلسلہ ہے جو ہمیشہ ہی علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اُمامہ آصف اکبر، نیو کراچی۔

❁ جولائی کے شمارے میں سب تحریریں زبردست تھیں۔ پہلا نمبر تو بے مانگا انعام لے گئی دوسرے نمبر پر کام یابی کا راز نے دل جیت لیا۔ تیسرے نمبر پر سو برس کی نانی پسند آئی۔ علم دریچے میں میٹھا طنز اول جب کہ علم کی خواہش دوم رہی۔ امجد اقبال کچھی، کبیر والا۔

❁ جولائی کا شمارہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ سب سے پہلے جاگو جگاؤ کو پڑھ کر ذہن کو جگایا۔ اس کے بعد اس مہینے کا خیال پڑھا بہت اچھا تھا۔ روشن خیالات میں تمام باتیں بہت سبق آموز تھیں۔ مجھے سب سے اچھی کہانی بے مانگا انعام (منظر عارفی) لگی۔ یہ کہانی پڑھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ باقی تمام کہانیاں بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی)، راستے کا پتھر (ڈاکٹر وقار احمد زبیری)، سو برس کی نانی (مصطفٰے ہاشمی)، کام یابی کا راز (محمد فہیم عالم)، بلاعنوان کہانی (ڈاکٹر عمران مشتاق) بہت بہت اچھی تھیں۔ جنگل اور (محمد طارق سمرا) اچھی نہیں لگی۔ پاکستان کی تاریخی یادگاریں پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ علم دریچے بہت اچھا تھا۔ نونہال ادیب میں تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ ایمن جان عالم، سمیعہ جان عالم، کراچی۔

❁ اس بار بھی ہمدرد نونہال ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔ جو تحریریں اچھی تھیں ان میں بے مانگا انعام، بادشاہ بوری میں، کام یابی کا راز، جاگو جگاؤ شامل تھیں۔ جنگل نیوز، بلاعنوان کہانی دل چسپ تھیں۔ عباس علی مونی، کراچی۔

❁ سرورق کی تصویر کا طریقہ کیا ہے؟ تصویر کتنی بڑی ہونی چاہیے، کیا ای۔میل کے ذریعے بھیج سکتے ہیں؟ فاطمہ احمد، کراچی۔

> تصویر پانچ انچ چوڑی اور سات انچ لمبی ہو۔ بچے کی عمر تین سے سات سال ہو اور بچے کا موڈ خوش گوار ہو۔ پس منظر سادہ ہو۔ تصویر ای۔میل کے بجائے ڈاک سے بھیجیں۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت خوب صورت اور بہترین تحریروں سے سجا ہوا تھا۔ لطیفے بہت شان دار اور تھے۔ منظر عارفی کی کہانی بے مانگا انعام بازی لے گئی۔ سو برس کی نانی مصطفٰے ہاشمی کی خوب صورت تحریر تھی۔ ڈاکٹر وقار احمد زبیری کی تحریر راستے کا پتھر اور بادشاہ بوری میں (مسعود احمد برکاتی) بہت پسند آئیں۔ نظم ''مچھر'' بہت اچھی تھی۔ شیخ حسن جاوید، شیخ نجم جاوید، شیخ احسن خالد، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال پاکستان میں بچوں کا نمبر ون رسالہ

ہے۔ اس کی تمام کہانیاں سبق آموز ہوتی ہیں۔ میں نے بہت سے رسائل کا مطالعہ کیا، لیکن جو خصوصیت ہمدرد نونہال میں ہے وہ کسی میں نہیں۔ اس رسالے سے ایک قلبی تعلق سا ہو گیا ہے۔ میرے پاس اس کی تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ کنول فدا حسین، کراچی۔

❁ جولائی کے شمارے میں اللہ کا مہینا، پاکستان کی تاریخی یادگاریں اور ملا نصر الدین حوجہ معلوماتی اور دل چسپ مضامین تھے۔ کہانیوں میں بے مانگا انعام، کام یابی کا راز اور راستے کا پتھر بہت اچھی سبق آموز کہانیاں تھیں۔ اس ماہ جاگو جگاؤ نے ہمارے دل پر بہت اثر کیا۔ نونہال ادیب میں تمام کہانیاں اچھی سبق آموز تھیں۔ علم دریچے ہمارا پسندیدہ تحریر ہے۔ جنگل نیوز پڑھ کر مزہ آیا۔ بلاعنوان کہانی بھی اچھی تھی، لیکن کچھ کہانیاں حقیقت سے دور ہیں، جن کو پڑھ کو افسوس ہوا کہ ان کہانیوں سے کیا سبق دیا جا رہا ہے۔ شہزادے، شہزادیوں والی کہانیوں کا دور تو اب نہیں ہے۔ آج ایسی تحریروں کی ضرورت ہے، جس سے دین کی طرف رغبت اور اپنے نبی کریم کی محبت پیدا ہو۔ بہادری کا جذبہ پیدا ہوا۔ اپنے ملک سے محبت پیدا ہو۔ آمنہ، عائشہ، سعدیہ، ہانیہ، زہرہ، حسن، نارتھ ناظم آباد۔

❁ آپ اور سعدیہ آنٹی نے مجھ جیسی نئی ادیبہ کی حوصلہ افزائی کی اور چند مہینے کے وقفے سے یہ دوسری تحریر ہمدرد نونہال کا حصہ بنی ہے، نہ کہ ردی کا حصہ۔ میں اپنے ساتھی لکھنے والوں سے یہ کہنا چاہوں گی کہ تحریر اگر معیاری ہو تو وہ ضرور رسالے کا حصہ بنے گی، ورنہ ہمیں دوبارہ محنت کرنی چاہیے، نہ کہ ردی کی ٹوکری کو برا بھلا کہیں۔ اگر ردی کی ٹوکری نہ ہو تو رسالے کا معیار بلند کے بجائے پست ہو جائے گا۔ عائشہ کلثوم، کراچی۔

❁ سرورق پر چھپائی کے رنگ بہت بھلے لگ رہے تھے۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید کی حکمت بھری باتوں سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی پہلی بات، آخری بات بن کر دل کو لگی۔ راستے میں چلتے ہوئے ''راستے کا پتھر'' بھی نظر آیا۔ رمضان کی فضیلت مضمون ''اللہ کا مہینا'' سے حاصل کی۔ دیگر سلسلوں میں جنگل نیوز نے بہت زیادہ نہیں لبھایا۔ پاکستان کی یادگاروں کی سیر کرتے ہوئے ''پیار کی شمع جلائی'' سو برس کی نانی نے کام یابی کا راز بتایا۔ مسکراتی لکیروں کو دیکھتے ہوئے ہنسی گھر پہنچے۔ نونہال ادیب سے مل کر آدھی ملاقات کی۔ عبدالسنان شریف، ملتان۔ ☆

آیندہ شمارے کی متوقع تحریریں

☆ زکوٹا بونے اور دیو کی مزے دار کہانی

☆ حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

☆ مسعود احمد برکاتی کی ایک خوب صورت تحریر

☆ اور بہت ساری مزے مزے کی کہانیاں

☆ نئی نئی حیرت انگیز اور مفید معلومات

☆ آسان انعامی سلسلے

☆ اور بہت سی دل چسپیاں

تصویر خانہ
ارفع عقیل، سیالکوٹ
علی اکرام، فیصل آباد
اشہام عالم، کراچی
نایاب بنت محمد رفیق، کراچی
عدیل شوکت، حچب، اٹک
عمیمہ ارشد، کورنگی
عبدالحسیب ارشد، کورنگی
محمد معظم افضل مغل، ڈگری

نونہال مصور

زونش منیر، میرپور خاص

محمد فہد خالد، لانڈھی

اُسامہ حسن، نارتھ کراچی

طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکارپور

معیز پرویز، نیو کراچی

وجیہہ زبیر، لیاقت آباد

سید ارباب علی، دہلی کالونی

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

اس بار ہم مختلف اشکال دہراتے ہوئے آپ کو دل کش ڈیزائن بنانا سکھا رہے ہیں۔

یہ ڈیزائن کسی پینٹنگ (PAINTING) کا بارڈر بنانے کے لیے مناسب ہیں۔ اوپر بنے ہوئے خاکے دیکھیے۔ اس میں ایک شکل کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ صرف ایک خاکہ علاحدہ بنایا گیا ہے۔ اسے آپ اپنی مرضی سے دائیں بائیں، اوپر نیچے دہرا کر نئے ڈیزائن بنا سکتے ہیں۔ نئے نئے خاکے آپ اپنے ذہن سے بھی بنا سکتے ہیں۔

☆☆☆

الہ دین اور چالیس دیو

شرجیل عباسی، دہران

بہت عرصے پہلے کی بات ہے۔ ملک الکمونیہ میں ایک غریب اور یتیم لڑکا الہ دین اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتا تھا، جس کا نام جیک تھا۔ الہ دین کی ماں دن بھر لوگوں کے گھر کا کام کرتی تھی۔ ان کا گزارا بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔

ایک بار الہ دین کی ماں سخت بیمار پڑگئی۔ نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔ گھر کے سارے برتن ایک ایک کر کے بک گئے۔ اب گھر میں صرف ایک گائے اور ایک بکرا بچا تھا۔

ماں نے الہ دین سے کہا: ''گائے اور بکرے کو بیچ کر روٹی لے آؤ۔ باقی پیسے سنبھال کر لانا۔''

الہ دین منڈی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا کتا جیک، گائے اور بکرا تھا۔ منڈی میں ایک بدصورت بوڑھا اس سے کہنے لگا: ''میرے پاس جادو کے بیج ہیں اور ایک جادوئی

قالین ہے' جو رباب کے بجنے پر اُڑتا ہے، مگر رباب (سارنگی) تمھیں خود ڈھونڈنا ہوگا۔ اگر تمھیں یہ چیزیں چاہییں تو مجھے اپنی گائے دے دو۔" الہ دین نے اپنی گائے دے کر اس سے بیج اور قالین لے لیے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور بوڑھا آیا اور اس نے الہ دین سے کہا: "بیٹا! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے پیسے بھی ختم ہو گئے ہیں۔ میرے پاس سونے کا ایک چراغ ہے۔ اگر تم مجھے اپنا بکرا دے دو تو میں تم کو یہ چراغ دے دوں گا۔ یہ تمھارے بہت کام آئے گا۔"

الہ دین نے سوچا کہ یہ سودا بھی برا نہیں۔ اس نے اپنا بکرا دے کر سونے کا چراغ لے لیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ گھر پہنچا تو اس کی ماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اس نے چراغ اور قالین کونے میں پھینک دیے اور بیج اپنے باغیچے میں، پھر دونوں بھوکے ہی سو گئے۔

صبح جب الہ دین کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے باغیچے میں ایک بہت بڑی بیل اُگ آئی ہے، جس میں بڑی بڑی پھلیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ بیل آسمان تک جا رہی تھی۔ الہ دین نے اپنی ماں کو بلا کر بیل دکھائی تو ماں بھی حیران ہوئی۔ پھر اسے یاد آیا کہ جہاں اس نے بیج پھینکے تھے، یہ بیل وہاں سے اگی ہے۔ اب تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے جیک اور الہ دین سے کہا کہ اوپر جاؤ پھلیاں توڑ کر لاؤ۔ الہ دین اوپر چڑھا اور اس نے پھلیاں توڑ توڑ کر نیچے پھینکنی شروع کیں۔ اب وہ کافی اوپر تک آ گیا۔ اس نے سوچا کہ دیکھوں، آخر یہ بیل کہاں تک جا رہی ہے۔ وہ چڑھتا چلا گیا۔ ہر طرف اسے بادل ہی بادل نظر آ رہے تھے۔ پھر اسے ایک بہت بڑا محل نظر آیا۔ وہ سیدھا اس کے دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک دیوزاد عورت نے دروازہ کھولا اور الہ دین سے پوچھا: "اے لڑکے! تم یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمھیں پتا نہیں کہ یہ جگہ خطرناک ہے۔ یہاں چالیس چور رہتے ہیں جو دیو ہیں۔"

الہ دین ڈرتے ڈرتے بولا: "میں بہت دور سے آیا ہوں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ کچھ

کھانے کو دے دیں۔"

دیوزاد عورت جس کا نام مونیکا تھا، اسے اندر لے گئی اور کھانا لا کر اس کے آگے رکھ دیا۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہا تھا کہ دھم دھم کی آواز آنے لگی۔ مونیکا گھبرا کر الہ دین کے پاس آئی اور بولی: "جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔ دیو آ رہے ہیں۔ وہ تمھیں کھا جائیں گے۔"

الہ دین بھاگ کر ایک کمرے میں گھس گیا، جہاں ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ دیو اندر آتے ہی چیخنے لگے: "آدم بو! آدم بو! یہاں کوئی آدم زاد آیا ہے۔"

مونیکا نے ان سے کہا: "میں نے آپ کے لیے جو کباب بنائے ہیں، یہ ان کی خوش بو ہے۔"

ایک دیو نے کہا: "اچھا جلدی سے کھانا لاؤ۔ ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔"

جب وہ چالیس دیو کھانا کھا چکے تو انھوں نے مونیکا سے کہا: "جاؤ، ہمارے رباب اور

مرغی کو لے کر آؤ۔''

مونیکا مرغی اور رباب لے کر آ گئی تو دیو نے کہا: ''اے رباب! ہمیں ایک اچھا سا گانا سناؤ!''

رباب خود بخود بجنے لگا اور مرغی ناچنے لگی۔ ناچتے ناچتے اس نے ایک دم چالیس سونے کے انڈے دیے، جو سردار نے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیے۔ گانا سنتے سنتے دیو سو گئے۔ الہ دین نے سونے چاندی کے کچھ زیورات ایک تھیلی میں بھر لیے۔ پھر اس کو یاد آیا کہ قالین کے لیے ایک جادوئی رباب کی ضرورت ہے، لہٰذا کیوں نہ یہ بھی لے لوں۔ اس نے رباب اُٹھا لیا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک وہ دروازے سے ٹکرا گیا۔ سب دیوؤں کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے جب دیکھا کہ ان کا رباب غائب ہے تو وہ اسے ڈھونڈنے لگے۔ اتنے میں الہ دین بیل تک پہنچ گیا اور نیچے اترنے لگا۔ وہ جلدی جلدی اتر کر اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''دیکھو ماں! میں کیا لایا ہوں۔''

الہ دین کی ماں نے جب سونے کی ڈھیروں چیزیں دیکھیں تو بہت خوش ہوئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ان چیزوں کے ساتھ ساتھ چراغ کو بھی بیچ دیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ چراغ اُٹھا کر اسے صاف کرنے لگی۔ اچانک اس میں سے دھواں نکلنے لگا اور ایک جن نمودار ہوا۔ وہ دہاڑا: ''مجھے کس نے آزاد کیا ہے؟''

الہ دین اور اس کی ماں جن کو دیکھ کر پہلے تو بہت ڈرے، پھر الہ دین بولا: ''ہم نے تمھیں آزاد کیا ہے۔''

جن گرجا: ''آقا! میں آپ کا غلام ہوں۔ میرا نام علی بابا جن ہے۔ میں آپ کی کوئی سی چار خواہشیں پوری کر سکتا ہوں اور اس کے بعد آزاد ہو جاؤں گا۔''

الہ دین نے کہا: ''ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔''

جن نے کہا: ''ابھی لو، میرے آقا!''

پھر اس نے ایک پتیلی الہ دین کو دی اور کہا: ''آقا! آپ کو جو چاہیے، اس کی نیت کر کے ہاتھ پتیلی میں ڈال کر نکال لیں۔''

اس کے بعد الہ دین نے کہا: ''اب ہمارے اس گھر کو ایک عالی شان حویلی میں تبدیل کر دو۔''

یہ کہنے کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے گھر ایک شان دار حویلی میں تبدیل ہو گیا۔ اب الہ دین نے سوچا کہ کیوں نہ رباب کو آزما کر دیکھا جائے۔ اس نے رباب کو قالین پر رکھا اور خود بھی قالین پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے رباب سے کہا: ''اے رباب! مجھے گانا سناؤ۔'' اس کا یہ کہنا تھا کہ رباب بجنے لگا۔ رباب بجنے کی دیر تھی کہ قالین اُڑنے لگا۔ الہ دین یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

دوسرے روز الہ دین نے سوچا کہ کیوں نہ دیوؤں کی سونے کے انڈے دینے والی مرغی محل سے لائی جائے۔ وہ قالین پر بیٹھا اور رباب کو بجنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ اس نے چراغ بھی رکھ لیا۔ قالین اُوپر کی طرف جانے لگا۔

اُوپر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں سخت پہرہ لگا ہوا ہے۔ تمام دیو محل کے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ الہ دین چپکے چپکے آگے بڑھتا گیا۔ جب محل کے قریب پہنچا تو اسے اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کے پیچھے سے ایک راستہ غار کے اندر جاتا ہے۔ وہ اِدھر پہنچا اور غار کے اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگا، مگر غار کا دروازہ کسی طرح نہیں کھل رہا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ دیوؤں کا سردار آ رہا ہے۔ وہ بھاگ کر دور چلا گیا۔ دیو غار کے پاس آیا اور زور سے کہا: ''کھل جا سم سم!'' اور دروازہ کھل گیا۔ سردار اندر چلا گیا تو وہ دروازہ پھر بند ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد سردار محل کے اندر سے نکل کر باہر چلا گیا۔ اب الہ دین غار کے دروازے کے پاس گیا اور زور سے کہا: ''کھل جا سم سم!'' اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر جا کر اس

نے دیکھا کہ وہ جس کمرے میں ہے، وہاں بہت سارے زیورات ہیں اور وہیں مونیکا بھی بندھی پڑی ہے۔ الہ دین نے جلدی جلدی مونیکا کو کھولا۔ مونیکا نے آزاد ہوتے ہی الہ دین سے کہا: ''یہاں سے بھاگ جاؤ، ورنہ دیو تمھیں مار ڈالیں گے۔''

پھر الہ دین نے اپنے چراغ والے جن کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ بہت سے لذیذ کبابوں کا انتظام کرو، جن میں زہر ملا ہو۔ جن نے کہا: ''ابھی لو، میرے آقا!'' اور دیکھتے ہی دیکھتے کبابوں کا ڈھیر اس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ الہ دین نے مونیکا سے کہا کہ مرغی لاؤ۔ مونیکا مرغی لے آئی۔ پھر الہ دین نے چراغ والے جن سے کہا کہ سب کباب باہر رکھ دو۔ باہر سے آ کر دیو جلدی جلدی کباب کھانے لگے اور ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ الہ دین نے مونیکا کو آزاد کر دیا اور جن کو حکم دیا کہ یہ سارا مال و دولت میرے گھر پہنچا دو۔ پھر وہ پچھلے دروازے پر آیا اور کہا: ''کھل جا سم سم'' ! دروازہ کھل گیا۔ وہ باہر نکل کر بھاگنے لگا۔ اتنے میں سردار دیو واپس آ گیا۔ اس نے اپنے محل کی جو یہ حالت دیکھی اور اپنے ساتھیوں کو مرے ہوئے پایا تو اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ دور کوئی اس کی مرغی کو لے کر بھاگ رہا ہے۔

اِدھر الہ دین نے جب یہ دیکھا کہ سردار دیو اسے پکڑنے آ رہا ہے تو وہ بھاگتا ہوا قالین پر بیٹھ گیا اور قالین اُڑنے لگا۔ وہ جلدی جلدی نیچے آیا۔ اس کے پیچھے سردار دیو بھی تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ الہ دین نے اپنی ماں سے کہا: ''اماں! مجھے کلہاڑی دو۔'' اس کی ماں نے اسے کلہاڑی دی۔ الہ دین جلدی جلدی کلہاڑی سے بیل کاٹنے لگا۔ سردار دیو تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ آخر بیل کٹ گئی تو ظالم دیو بلندی سے نیچے گر کر مر گیا۔ چراغ کے جن نے ساری دولت الہ دین کے گھر میں لا کر رکھ دی تو الہ دین نے جن کو آزاد کر دیا۔

☆☆☆

نشانِ حیدر

محمد طٰہٰ طارق

نشانِ حیدر پاکستان کا سب سے بڑا فوجی تمغا ہے۔ حیدر، حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا لقب ہے اور اس کا مطلب شیر ہے۔ چوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شجاعت ضرب المثل ہے، اس لیے یہ اعزاز ان کے نام کی نسبت سے نشانِ حیدر کہلاتا ہے۔ نشانِ حیدر افواجِ پاکستان میں ان کو دیا جاتا ہے، جو وطن کی حفاظت کی خاطر غیر معمولی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کریں اور اس مقصد کی خاطر اپنی جان کی بھی پروا نہ کریں۔

اس تمغے کی تیاری میں گن میٹل (GUN METAL) کا استعمال ہوتا ہے۔ اب تک یہ تمغا دس شہیدوں کو دیا گیا ہے۔ ان میں سے نو کا تعلق پاکستان آرمی سے ہے اور ایک کا تعلق پاک فضائیہ سے ہے۔ ان جاں نثارانِ وطن کے نام اور مختصر حالات یہ ہیں:

۱۔ کیپٹن محمد سرور شہید:

کیپٹن محمد سرور ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو راولپنڈی کے ایک گاؤں سنگھوری میں پیدا ہوئے۔ ۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو لڑائی کے دوران زبردست فائرنگ کی گئی، جس سے ان کی بٹالین کی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی، مگر ان رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ اس دوران ان کا ایک بازو شدید زخمی ہوگیا۔ آپ چھے جوانوں کے ساتھ خاردار تاروں کو کاٹنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے کہ دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ آپ کے سینے میں پیوست ہوگئی جس سے آپ شہید ہوگئے۔

۲۔ میجر طفیل محمد شہید:

میجر طفیل محمد ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء کو ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں کمپنی کمانڈر کے طور پر تعینات ہو کر مشرقی پاکستان پہنچے۔ جنگ کے دوران وہ

شدید زخمی ہوگئے۔ آپ کے ساتھیوں نے واپس جانے کا مشورہ دیا، لیکن آپ اپنے فوجیوں کی قیادت کرتے رہے اور زخموں کی تاب نہ لا کر ۷-اگست ۱۹۵۸ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

۳۔ میجر عزیز بھٹی شہید:

میجر عزیز بھٹی ۶-اگست ۱۹۲۳ء کو ہانگ کانگ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ضلع گجرات سے تھا۔ آپ کو ''شمشیرِ اعزاز'' اور ''نارمن گولڈ میڈل'' بھی عطا کیے گئے۔ نو اور دس ستمبر ۶۵ کی درمیانی شب پاکستانی فوج کے جوان دشمن پر ٹوٹ پڑے اور دشمن سے علاقہ خالی کرا لیا۔ اس لڑائی میں ٹینک کا ایک گولہ آپ کے دائیں شانے پر آ لگا، جس سے آپ ۱۲-ستمبر ۱۹۶۵ء کو شہید ہوگئے۔

۴۔ پائلٹ آفیسر راشد منہاس شہید:

راشد منہاس ۱۷-فروری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ جمعہ ۲۰-اگست ۱۹۷۱ء کو جب آپ تربیت کے دوران اپنی پرواز کو معمول کے مطابق رن وے (RUN WAY) پر لے جا رہے تھے کہ ان کا ایک غدار انسٹرکٹر مطیع الرحمٰن جہاز کے کاک پٹ میں زبردستی داخل ہوگیا اور کنٹرول کو اپنے ہاتھ میں لے کر جہاز کو بلند کر کے زبردستی پڑوسی ملک لے جانے کی کوشش کی۔ راشد منہاس نے جہاز کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کام یاب نہ ہو سکے۔ انھوں نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے طیارے کا رخ زمین کی طرف موڑ دیا اور طیارہ سرحد سے ۳۲ میل دور جا کر تباہ ہوگیا، جس میں آپ بھی شہید ہوگئے۔

۵۔ سوار محمد حسین شہید:

سوار محمد حسین ۱۸-جون ۱۹۴۹ء کو ڈھوک پیر بخت ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کو فوج میں بھرتی ہوئے۔ ڈرائیونگ کی تربیت حاصل کی۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں

شکر گڑھ کے مقام پر وہ فوجیوں کو اسلحہ پہنچاتے تھے۔ ۱۰- دسمبر کی سہ پہر کو آپ دشمن کے ایک ٹینک سے نکلنے والی مشین گن کی گولیاں لگنے سے شہید ہو گئے۔

۶۔ میجر محمد اکرم شہید:

میجر محمد اکرم ۱۴- اپریل ۱۹۳۸ء کو ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے وقت آپ کمپنی کی قیادت کر رہے تھے کہ ایک موقع پر دشمن نے جدید ہتھیاروں کی مدد سے کمپنی پر حملہ کیا۔ آپ نے دو ہفتے تک دشمن کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا اور اُسے بھاری نقصان پہنچایا۔ آپ اس محاذ پر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

۷۔ لانس نائیک محمد محفوظ شہید:

لانس نائیک محمد محفوظ شہید ۲۵- اکتوبر ۱۹۴۴ء کو راولپنڈی کے ایک گاؤں پنڈ ملکاں میں پیدا ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں لانس نائیک محمد محفوظ کی پلاٹون سب سے آگے تھی۔ ایک موقع پر ان کی مشین گن تباہ ہو گئی۔ انھوں نے فوراً شہید ساتھی کی مشین گن اُٹھائی اور دشمن کی طرف فائر کھول دیا۔ دشمن کی گولیوں سے آپ کی دونوں ٹانگیں چھلنی ہو گئیں، مگر وہ اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے دشمن کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں ایک سپاہی نے آپ کو سنگین کے وار کر کے شہید کر دیا۔

۸۔ میجر شبیر شریف شہید:

میجر شبیر شریف ۲۸- اپریل ۱۹۴۳ء کو ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ایک کمپنی کی کمان کے دوران بارودی سرنگیں اور ایک تیس فیٹ چوڑی اور دس فیٹ گہری نہر کو عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ٹینک کا ایک گولہ لگنے سے وہ موقع پر شہید ہو گئے۔

۹۔ کیپٹن کرنل شیر خان شہید:

کیپٹن کرنل شیر خان یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو ضلع صوابی کے ایک گاؤں نواں کلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا نے ان کا نام کرنل شیر خان رکھا۔ ۱۹۹۲ء میں انھوں نے پاکستان ملٹری اکیڈمی میں شمولیت اختیار کی۔ جنوری ۱۹۹۸ء میں انھوں نے رضا کارانہ طور پر لیفٹیننٹ کیپٹن کے طور پر خدمات انجام دیں۔ کیپٹن کرنل شیر خان ۱۹۹۹ء میں کارگل کے محاذ پر تھے۔ انھوں نے مخالف فوج کی پیش قدمی کو انتہائی جواں مردی سے روکے رکھا۔ اسی دوران وہ گولیوں کی زد میں آ کر شہید ہو گئے۔ شیر خان کا فوج میں عہدہ کیپٹن تھا، لیکن کرنل کا لفظ ان کے دادا نے ان کے نام کا حصہ بنا دیا تھا، اسی لیے وہ کیپٹن کرنل شیر خان کے نام سے مشہور ہوئے۔

۱۰۔ حوالدار لالک جان شہید:

حوالدار لالک جان شہید ۱۵- فروری ۱۹۶۸ء کو پاکستان کے شمالی علاقے گلگت بلتستان میں سلسلۂ ہندوکش کی وادی یاسین میں پیدا ہوئے۔ وہ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستان آرمی میں بھرتی ہوئے۔ انھوں نے ۱۵- ستمبر ۱۹۹۹ء کو کارگل کے معرکے میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے پاک فوج کا اعلا ترین فوجی اعزاز نشانِ حیدر حاصل کیا۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

جوابات معلوماتِ افزا - ۱۹۹

سوالات جولائی ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئے تھے

۱۔ جامع القران حضرت عثمان غنیؓ کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہ کا خطاب ہے۔

۳۔ پاکستان کا دوسرا آئین یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو نافذ کیا گیا تھا۔

۴۔ پاکستان میں قومی شناختی کارڈ اسکیم یکم جولائی ۱۹۷۳ء کو نافذ کی گئی۔

۵۔ اردو کا پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کو کہا جاتا ہے۔

۶۔ مشہور ڈراما ''مرزا غالب بندر روڈ پر'' خواجہ معین الدین کی تحریر ہے۔

۷۔ پاکستان کے گاما پہلوان کا انتقال ۱۹۶۰ء میں ہوا تھا۔

۸۔ مشہور لیڈر ہٹلر ۱۸۸۹ء میں آسٹریا میں پیدا ہوا تھا۔

۹۔ یونانی ماہر ریاضی داں اقلیدس کو علمِ ہندسہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ مشہور سیاح مارکو پولو چین پہنچا تو اس وقت وہاں قبلائی خان کی حکومت تھی۔

۱۱۔ دنیا کی سب سے پہلی خاتون وزیرِ اعظم بندرانائکے تھیں۔

۱۲۔ افریقی ملک آئیوری کوسٹ کا دارالحکومت عابد جان ہے۔

۱۳۔ آگ کا درجۂ حرارت معلوم کرنے کے لیے پائرومیٹر استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ ''APRICOT'' انگریزی زبان میں خوبانی کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت یہ ہے: ''جان نہ پہچان، بڑی خالہ سلام۔

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: شاہ محمد ازہر عالم، حرا اسلم خانزادہ، سید حسن اشرف، سیدہ جویریہ جاوید، سید باذل علی اظہر، سیدہ ثوبیہ ناز ☆ حیدر آباد: طٰہٰ یاسین ☆ میر پور خاص: وقار احمد ☆ شکار پور: محمد صدیق کہانگر ☆ فیصل آباد: ایم اسلم مغل ☆ ملتان: حافظ محمد یوسف کشمیری ☆ لاہور: امروز اسلم، زاہد امتیاز ☆ کالا گجراں: محمد افضل ☆ کلور کوٹ: محسن قیوم۔

۱۶ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ کراچی: سید عفان علی جاوید، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ، محبوب، نعیم الرحمٰن خانزادہ، فاطمہ تحریم ☆ میر پور خاص: عاقب اسمٰعیل، عدیل احمد ☆ ڈی جی خان: محمد فہد ☆ ملتان: ہمیرا یوسف، نیہا رضوان ☆ لاہور: محمد حسن۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: مریم اویس، عائشہ حنیف، رخسانہ جنید، ماہ نور فاطمہ عادل، مریم عبدالمجید موسانی، سید محمد طلحہٰ، سید زین العابدین، لقمان، محمد سعد عمران، محمد طاہر آصف خان، طلحہٰ عبدالاحد، ایمن رضوان، اسماء ارشد، اے ڈی لاریب میمن ☆ حیدر آباد: شہنور سخاوت، عائشہ ایمن، محمد اُسامہ انصاری ☆ میر پور خاص: بلال عبدالرحمٰن ڈوگر ☆ سکھر: دلشاد انصاری، محمد فرقان شیخ ☆ وزیر آباد: سلمٰی فرحت ☆ ضلع کرک: افشین زماں ☆ راولپنڈی: میمونہ یاسین، عثمان سجاد ☆ کوہاٹ: محمد وحدان شاہ۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: سمعیہ عارف، منزہ ارشد، زعیم اختر، شیخ حسن جاوید، فاطمہ احمد، محسن امیر صدیقی، فرحان فہیم، وردہ خالد، مہوش اختر، سید فہما انصار ☆ حیدر آباد: سعد انصاری ☆ میر پور خاص ڈگری: عاصمہ بنتِ عبدالحمید راٹھور، محمد اعظم مغل، عمر طلحہٰ مغل، محمد طلحہ مغل ☆ سکرنڈ: منور سعید

خانزادہ، صادقین ندیم خانزادہ ☆ **سکھر:** صائمہ شیر محمد ☆ **ٹنڈو الہیار:** محمد زریاب، حمنہ منیب
☆ **لاڑکانہ:** سرکشا کماری ☆ **جیکب آباد:** عبدالرزاق ڈاہانی ☆ **ڈی جی خان:** عبداللہ سلمان
☆ **رحیم یار خان:** سیرت فاطمہ فاروقی ☆ **کھاریاں کینٹ:** امیمہ ضیاء ☆ **بہاول پور:** قرۃ العین عینی،
صباحت گل، ایمن نور، حافظ احمد ارسلان راجا، حنا بلقیس ☆ **آزاد کشمیر کوٹلی:** شہریار احمد چغتائی۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** سلمہ محمد صلاح الدین، نبیل علی نواز، سید علی مسعود، عکاشہ عثمانی، کومل ممتاز، محمد طلحہ، سجاد
علی، مہوش حسین، فہد حسین کیریو، اقراء شاکر، یوسف مفتی، سید محمد ریحان، محمد آصف انصاری، سید
سلمان جاوید ☆ **حیدرآباد:** ثمین فاطمہ ☆ **ٹھٹھہ:** الضحیٰ فاطمہ، عائشہ بی بی، اقصیٰ احمد، نہال اختر، محمد
افع اختر، ام کلثوم ☆ **میرپور خاص:** شہزیم راجا ☆ **شورکوٹ:** ساجد فاروقی ☆ **بورے والا:** حسیب
بدر ☆ **جہلم:** اقرا عقیل ☆ **راولپنڈی:** قرۃ العین حیدر۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ **کراچی:** سیدہ ابیہا حسن، ثاقب تنویر، سمعیہ جان عالم، میمونہ حفیظ اللہ خان، محمد باسط رضا، محمد
سعد علی، نادیہ طارق، محمد طلحہ میمن ☆ **راولپنڈی:** محمد ابراہیم خالد ☆ **ملتان:** مومل طارق ☆ **جہلم:**
حذیفہ جواد ☆ **پنڈ دادن خان:** پرنس راجا ثاقب محمود۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ **کراچی:** حفصہ محمود، بلقیس فاطمہ، فاطمہ شفقت، سیدہ ماہ نور طارق، عروج عابد صدیقی، شہلا
ناز، واجد نگینوی، ام عادل، ایمان اسلم علی ☆ **جامشورو:** نادر علی جتھیال ☆ **حیدرآباد:** ملائکہ خاں
☆ **میرپور خاص:** سیدہ نیائش خالد ☆ **پرانا سکھر:** سویرا خاں ☆ **رائے ونڈ:** نوید ☆ **اوکاڑہ:** ایچ ایم
سلیم نور ☆ **ملتان:** طوبیٰ ساجد۔

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

راشد علی عمرانی، شہداد پور
عدنان یوسف، کراچی
سبرینہ رضوان احمد، حیدرآباد
نبیل احمد، کراچی
ہمایوں طارق، ملتان
مریم ناز، میرپور خاص
شہزادی اسماء زرین، کراچی
شہریار گوندل، منڈی بہاء الدین
مہوش اختر، نارتھ کراچی

حمد

مرسلہ: راشد علی عمرانی، شہداد پور

وہی ہے سب کو بنانے والا
نظامِ دنیا چلانے والا
عیاں ہے سب پہ بڑائی اس کی
بہت بڑی ہے خدائی اس کی
اسی نے روشن کیا جہاں سب
زمین ساری، یہ آسماں سب
نہیں ہے اس سے عظیم کوئی
نہیں ہے اس سے علیم کوئی
وہ باخبر ہے، وہ آشنا ہے
سمجھ سے راشد، وہ ماورا ہے

سنہری زمانہ

سبرینہ رضوان احمد، حیدرآباد

مغل بادشاہ شاہ جہاں کو تعمیرات سے بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ شاہ جہاں کی حکومت میں بہت ہی شان دار اور نہایت خوب صورت عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ مورخین نے شاہ جہاں کے عہد حکومت کو سنہری زمانہ قرار دیا تھا۔ شاہ جہاں کے بنوائے ہوئے قلعے، محل، باغات اس کی بنوائی ہوئی عمارتیں، مساجد آگرہ، دہلی، لاہور، کشمیر، قندھار، اجمیر اور دیگر مقامات پر موجود ہیں۔ ان عمارات کی تعمیر پر کروڑوں کا خرچ بتایا جاتا ہے۔ شاہ جہاں کی تعمیرات میں خصوصی طور پر دہلی کی تعمیرات اور آگرہ کا مجموعہ

''تاج محل'' شامل ہے۔ تاج محل کو بنوانے میں ۲۲ سال لگے تھے اور اس میں اس وقت کروڑوں روپے کی لاگت آئی تھی، حتیٰ کہ شاہ جہاں کا خزانہ خالی ہو گیا تھا۔

تاج محل دنیا کا وہ واحد مقبرہ ہے، جس کا حسن ابھی تک برقرار ہے۔ شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا مقبرہ ہو۔ لاہور میں جہانگیر کا مقبرہ بھی شاہ جہاں کی ایک اہم تعمیر ہے۔ شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی کئی اور عمارات بھی کافی مشہور ہیں۔ مثلاً موتی مسجد، لال قلعہ، جامع مسجد دہلی، شاہ جہاں کا تختِ طاؤس جو کہ سات سال میں بن کر تعمیر ہوا تھا، وہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک لاکھ تولے ٹھوس سونے یعنی تقریباً سوا ٹن سے بنایا گیا تھا۔ اس تخت پر بے شمار ہیرے موتی جڑے تھے، مگر جب نادر شاہ نے برصغیر پر حملہ کیا تھا تو اس تخت کو اپنے ملک فارس (ایران) لے گیا تھا۔

مونا! دروازہ کھولو

ہمایوں طارق، ملتان

صبح کا وقت تھا۔ مونا گھر میں اکیلی تھی۔ اس کے ابو دفتر گئے ہوئے تھے۔ امی اپنی بہن سے ملنے گئی ہوئی تھیں اور بڑے بھائی اسکول میں تھے۔ مونا کی طبیعت خراب تھی، اس لیے وہ اسکول نہیں گئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کتابیں پڑھ رہی تھی کہ گیٹ کی گھنٹی بجی۔ وہ جلدی سے دروازے پر پہنچی۔ اس نے دروازے کی جھری میں سے باہر جھانکا۔ ایک عورت جو شکل وصورت اور لباس سے شریف اور پڑھی لکھی لگ رہی تھی، گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گتے کا ڈبا تھا۔

مونا نے دروازہ نہیں کھولا، اندر ہی سے پوچھا: ''جی فرمایئے، کس سے ملنا ہے؟''

عورت نے بڑے پیار سے کہا: ''تمھارے ماموں جو انگلینڈ میں رہتے ہیں، انھوں نے تمھاری امی کو یہ تحفہ بھیجا ہے۔ میں بھی وہیں رہتی ہوں۔ ان کی پڑوسن ہوں۔ لاہور آ رہی تھی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہ پیکٹ میری بہن کو دے دینا۔''

''مگر میرے تو کوئی ماموں انگلینڈ میں نہیں رہتے۔ ایک کا گھر فیصل آباد میں

ہے اور دوسرے کا حیدرآباد میں۔'' مونا سوچتے ہوئے بولی۔

''وہ تمھاری امی کے رشتے میں بھائی ہیں۔ تم انھیں نہیں جانتی ہوگی۔ اس پیکٹ کے ساتھ ایک خط بھی ہے، جو انھوں نے تمھاری امی کو لکھا ہے۔ دروازہ تو کھولو۔ میں تمھیں سمجھاتی ہوں۔'' عورت نے کہا۔

مونا کا ہاتھ کنڈے کی طرف بڑھا، مگر پھر فوراً ہی رک گیا۔ اسے اپنے ابو کی وہ نصیحت یاد آ گئی، جو انھوں نے چند روز پہلے اسے کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا: ''گھر میں، میں یا تمھارے بڑے بھائی جان نہ ہوں اور کوئی اجنبی دروازہ کھولنے کو کہے تو ہرگز نہ کھولنا، چاہے وہ کتنا ہی اصرار کرے۔''

مونا نے بڑے ادب سے کہا: ''معاف کیجیے، میں آپ کو اندر نہیں بلا سکتی۔ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں ہے، کیا آپ دوپہر کو نہیں آ سکتیں؟''

''نہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد راولپنڈی جا رہی ہوں، وہاں سے کراچی جاؤں گی اور پھر وہیں سے لندن چلی جاؤں گی۔'' عورت نے جواب دیا۔

''اچھا، ایسا کیجیے، یہ پیکٹ یہیں گیٹ پر رکھ دیں۔ امی آئیں گی تو اُٹھا لیں گی۔''

''لڑکی! تمھاری عقل گھاس چرنے تو نہیں چلی گئی۔ یہاں سے کوئی چور اُچکا لے جائے گا۔ خیر، تمھاری مرضی مت کھولو، مگر بعد میں پچھتاؤ گی۔ اس پیکٹ میں کھلونے بھی ہیں۔'' عورت نے سخت لہجے میں کہا۔

مونا نے سوچا کہ یہ عورت بُری نہیں ہو سکتی۔ اتنے خوب صورت کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ میک اپ بھی ٹھیک ٹھاک کیا ہوا ہے۔ بات چیت سے بھی شریف لگتی ہے۔ اس نے کہا: ''اچھا ٹھیریے، میں کھولتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے گیٹ کے چھوٹے دروازے کا کنڈا سرکایا اور دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا ہی تھا کہ عورت نے اسے دھکا دے کر پیچھے گرایا اور پھر اندر آ گئی۔ مونا حیرت سے اسے تک رہی تھی۔ مارے خوف کے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ باہر دروازے

کی آڑ میں ایک موٹا سا آدمی کھڑا تھا۔ وہ جلدی سے اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ عورت جو پہلے بڑی نیک اور شریف دکھائی دے رہی تھی، اب خوں خوار شیرنی لگ رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے مونا کا گلا دبایا اور ڈانٹ کو بولی: ''آواز نکالی تو گلا گھونٹ دوں گی۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔'' اس عرصے میں عورت کا ساتھی مونا کے امی ابو کے کمروں میں جا چکا تھا۔ مونا کو الماریاں کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آدمی ہر چیز کی تلاشی لے رہا تھا۔ اسے رپے پیسے اور زیورات کی تلاش تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں دو تھیلے تھے۔ ان میں نقدی اور سونے کے زیورات وغیرہ تھے۔ اس نے عورت سے کہا: ''کام ہو گیا، چلو نکل چلیں۔'' عورت نے مونا کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور بولی: ''جب تک ہم چلے نہ جائیں، یہیں پڑی رہنا، اگر شور مچایا تو یہ دیکھو!''

اس نے چاقو دکھایا اور بولی: ''گلا کاٹ دوں گی۔''

پہلے عورت باہر نکلی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اطمینان ہو گیا کہ گلی میں کوئی نہیں ہے تو مرد کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد مونا کو موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد وہ دور ہوتی چلی گئی۔

مونا کی ایک ذرا سی غلطی سے اس کا پورا گھر لٹ چکا تھا۔ اس نے اپنے ابو کی نصیحت نہیں مانی تھی اور اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔ اگر آپ گھر میں اکیلے ہیں اور کوئی اجنبی آپ کو دروازہ کھولنے کو کہے تو ہرگز اس کا کہنا نہ مانیں۔

دوستو! بعض چور اور ڈاکو فون کر کے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس وقت گھر میں کون کون ہے۔ جب انھیں معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو پھر وہ واردات کرتے ہیں۔ اگر کوئی فون پر آپ کے ابو یا کسی بڑے کے بارے میں پوچھے تو

یہ ہرگز مت کہیں کہ وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں بلکہ کہیں کہ وہ اس وقت بہت ضرورت کام میں مصروف ہیں۔ آپ پیغام دے دیں یا پھر بعد میں فون کریں۔

علم کی روشنی

شہزادی اسماء زرین، کراچی

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک شہر میں تین لڑکے رہا کرتے تھے۔ وہ تینوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ ان میں بہت گہری مثالی دوستی تھی۔ وہ آپس میں مل جل کر پیار و محبت سے رہتے تھے۔ لوگوں سے بہت ہمدردی اور محبت سے پیش آتے اور اپنے بڑوں کی بے حد عزت کرتے تھے۔ وہ غریبوں کی مدد کرتے اور ان کی چھوٹی موٹی ضروریات فوراً پوری کرتے تھے۔

محلے پڑوس میں کسی کو بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ تینوں مل کر حل کر دیتے تھے۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا۔ یہ تینوں دوست تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد ان تینوں دوستوں نے فیصلہ کیا کہ ہم مل کر کوئی ایسا اچھا اور مفید کام کریں، جس سے غریبوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ تینوں دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کافی سوچ بچار کے بعد ایک دوست نے کہا کہ آم کی فصل لگائی جائے، تاکہ ہماری نسل اس پھل سے مستفید ہو سکے۔ دوسرے دوست کا فیصلہ تھا کہ کپڑے کی تجارت کی جائے، تاکہ لوگوں کو اچھا اور سستا کپڑا پہننے کو ملے۔ جب کہ تیسرے دوست کا خیال تھا کہ یہ دونوں کام زیادہ بہتر نہیں ہیں، بلکہ ہمیں ایسا کام کرنا چاہیے جو سب لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں، دیہات، گوٹھ، قصبے میں تعلیم عام کی جائے، تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو تعلیم کے ذریعے سے شعور و آگاہی حاصل ہو اور وہ لوگ اپنے فیصلے خود کرنے کے قابل ہو سکیں۔ آخر تینوں دوست اس فیصلے پر متفق ہوئے کہ کچی اور مضافاتی

بستیوں میں اسکول کھولے جائیں۔

آس پاس کچی آبادیوں میں اسکول کھولنے کا کام اگرچہ بہت مشکل تھا، مگر ناممکن نہ تھا۔ شروع میں ان تینوں دوستوں کو بہت دشواری اور پریشانی اُٹھانا پڑی، مگر کہتے ہیں کہ ''نیت صاف، منزل آسان۔''

ان تینوں دوستوں کی نیت نیک اور علم کی روشنی پھیلانے کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد کی۔ آہستہ آہستہ ایک دیے سے دوسرا دیا روشن ہوتا چلا گیا۔ گاؤں، دیہات کے غریب وان پڑھ لوگ اپنے بچوں کو ان تینوں دوستوں کے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجنے لگے۔

رحیمو نے اپنے دونوں بچوں کا داخلہ کرایا، بخشو بھی اپنے بچوں کا ہاتھ تھامے اسکول میں داخل ہوا۔ بخشو کو دیکھ کر راجو بھی اپنے چاروں بچوں کو لے آیا۔ فضلو نے بھی اپنے پوتے اور پوتی کو تعلیم دلانے کا عہد کرلیا۔ رفتہ رفتہ بچوں کی تعداد بڑھتی گئی اور اسی طرح اسکول کی حدود میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور ہر طرف علم کا نور اور اُجالا پھیل گیا۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس کو خود تک محدود نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ علم کو اپنے چاروں طرف پھیلانا چاہیے، کیوں کہ دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

صبر کا پھل میٹھا کیوں نہیں؟

عدنان یوسف، کراچی

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ ایک دن مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی اور امی نے کریلے کا سالن پکایا تھا۔ میں نے بہت صبر کرنے کے بعد کریلے کھائے، تب بھی کریلے کڑوے ہی نکلے۔

ایک دن ابو آم لائے۔ امی نے ٹھنڈا کرنے کے لیے آموں کو کاٹ کر فریج میں رکھ دیا۔ میں کافی دیر صبر کرکے آم کھانے گیا تو دیکھا آم فریج کے بجائے باورچی خانے میں تھے۔ پلیٹ میں صرف چھلکے اور گٹھلیاں پڑی تھیں۔ میں نے چھلکے چبائے تو وہ کڑوے نکلے۔ میں نے سوچا کہ شاید

گٹھلیاں ہی میٹھی ہوں گی، مگر اس میں بھی کچھ میٹھا نہ نکلا۔ پھر میں نے بہت سوچا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو دماغ نے کہا کہ صبر کا پھل نہیں، بلکہ محنت کے بعد صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ باجی کا کہنا تھا کہ کریلے کا جوس پینے سے خون صاف ہوتا ہے۔ چناں چہ میں نے بڑی محنت سے جوسر مشین سے کریلے کا جوس نکالا اور آدھا گھنٹا صبر بھی کیا، مگر پھر بھی وہ کڑوا ہی نکلا۔ نہ صبر کا پھل میٹھا نکلا اور نہ ہی محنت کا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

اتحاد کی برکت

نبیل احمد، کراچی

ایک جنگل میں سب جانور مل جل کر پیار محبت سے رہتے تھے۔ جنگل میں ہر طرف ہریالی اور سبزہ ہی سبزہ تھا۔ قریب ہی دوسرے جنگل میں تمام جانور ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ اس جنگل میں سبزہ بہت کم تھا، جس کی وجہ سے وہاں کے جانور بھوک سے بے حال رہتے تھے۔

ایک دن اس جنگل کے بادشاہ شیر نے تمام جانوروں کو بلایا اور کہا کہ ہمارے جنگل میں قحط پڑ رہا ہے اور ساتھ والے جنگل میں اتنی ہریالی اور سبزہ ہے۔ ہمارے ہاں سے کوئی ایک جانور جائے اور پتا کرکے آئے کہ یہ کیا راز ہے۔ میرے خیال میں جگو ہرن اس کام کے لیے بہتر ہے، کیوں کہ وہ تیز دوڑتا ہے اور ہوشیار بھی ہے۔

اگلے دن صبح سویرے جگو ہرن ساتھ والے جنگل پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے دیکھا کہ ندی کے کنارے سب جانور مل کر پانی پی رہے ہیں۔ وہ ندی سے تھوڑا دور گیا تو اسے ایک ہرنی نظر آئی، جس کے پیر میں کانٹا چبھا ہوا تھا۔ ہرنی نے جب ایک اجنبی ہرن کو دیکھا تو وہ زور سے چلائی اور بولی: ''کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟''

جگو ہرن نے کہا: ''میں ساتھ والے جنگل سے آیا ہوں اور میرا نام جگو ہرن ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے ہرنی کے پیر سے کانٹا نکال دیا۔

ہرنی نے پوچھا: ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

جگو ہرن بولا: ''ہمارے جنگل میں تو ہریالی بہت کم ہے اور جنگل میں قحط پڑنے والا ہے، جب کہ تمھارے جنگل میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ میں اس کا راز جاننے کے لیے آیا ہوں۔ میں نے اس جنگل میں دیکھا کہ سب جانور ندی میں مل کر پانی پی رہے ہیں اور یہاں کا ماحول بھی کافی پُرسکون نظر آیا۔''

یہ سب باتیں سن کر ہرنی نے کہا: ''لگتا ہے، تمھارے جنگل میں سب مل جل کر نہیں رہتے؟''

جگو ہرن نے کہا: ''ہاں، سب ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔''

ہرنی نے کہا: ''ہمارے جنگل کی خوش حالی کا راز یہ ہے کہ سب جانور پیار و محبت سے مل جل کر رہتے ہیں۔ جب کوئی جانور کسی مصیبت میں ہوتا ہے تو سب اس کی مدد کرتے ہیں، کیوں کہ اتحاد میں بڑی برکت ہے، جس کی وجہ سے اس جنگل میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خوش حالی اور ہریالی دی ہے اور تمھارے جنگل میں سب ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، اس لیے تمھارے جنگل میں قحط کی صورت پڑ گئی ہے۔''

ہرنی، جگو ہرن کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئی اور ساری بات بتائی۔ جنگل کے بادشاہ نے جگو ہرن کی خوب مہمان نوازی کی اور اس سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ جگو ہرن بہت خوش ہوا اور بادشاہ سے اپنے جنگل جانے کی اجازت لی۔ بادشاہ اور دوسرے جانوروں نے مل کر جگو ہرن کو بہت سارے تحفے دیے اور وہ اپنے جنگل چلا گیا۔

اپنے جنگل پہنچ کر بادشاہ کو بتایا کہ کس طرح وہاں کے بادشاہ نے اور دوسرے جانوروں نے اس کی عزت کی اور تحفے تحائف دیے اور جنگل کی ہریالی کا راز بتایا کہ یہ سب امن و امان اور پیار محبت کی وجہ سے ہے۔ یہ جان کر سب جانور خوش ہوئے اور بادشاہ سے وعدہ کیا کہ ہم سب بھی

مل جل کر رہیں گے اور کبھی نہیں لڑیں گے۔ سب ایک دوسرے کے گلے ملے۔ اس طرح ان کے جنگل میں بھی چند دنوں میں خوش حالی آ گئی۔

باغ کی سیر

مرسلہ: مریم ناز، میرپور خاص

آؤ، ہم سب باغ میں جائیں
باغ میں جا کر پھول لگائیں
اچھے اچھے پیارے پیارے
رنگ برنگے پھول یہ سارے
چوں چوں، چوں چوں، چڑیاں چہکیں
پھول کھلیں اور کلیاں مہکیں
کُو کُو، کُو کُو کوئل بولے
رس میٹھا کانوں میں گھولے
تتلیاں جو پھول پر بیٹھیں
پھول بھی سب خوش ہو کر مہکیں
کوا، مینا، سب ہی گائیں
آؤ، ہم سب باغ میں جائیں
باغ میں جا کر پھول لگائیں

پُرعزم دلشاد

شہریار گوندل، منڈی بہاء الدین

''بہن جی! تم فکر مت کرو، اب تمھارے بیٹے کو بہت جلد روزگار مل جائے گا۔''

بابا نے فکر مند عورت کو خوش خبری سناتے ہوئے کہا: ''تم اگلے ہفتے دوبارہ آنا۔''

بابا ایک چھوٹے سے گاؤں کا پیر تھا۔ وہاں کے لوگ بڑے توہم پرست تھے۔ بابا سادہ لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان سے رقم بٹورتا تھا۔ ایک عورت کو جھوٹی خوش خبری سنا کر بابا نے اس سے ہزار روپے لوٹ لیے۔ دلشاد یہ سب دیکھ رہا تھا۔ دلشاد لوگوں کو بہت سمجھاتا کہ پیر کی باتوں میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ جعلی پیر لوٹ مار کرتا ہے، مگر لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔ وہ پیر کی ہر بات درست مانتے تھے اور اسے بڑا بزرگ سمجھ کر لوگ اس کی خدمت گزاری کرتے اور اس کی بات مانتے۔

دلشاد بھی اسی گاؤں کا رہنے والا ایک نوجوان تھا۔ اس نے پیر کی جاسوسی شروع کر دی۔

ایک دن دلشاد نے چھپ کر دیکھا کہ پیر ساری دولت ایک صندوق میں رکھ کر وہاں سے فرار ہونے کی تیاری کر رہا ہے، تاکہ کسی دوسرے گاؤں جا کر لوگوں کو بے وقوف بنائے۔ دلشاد نے اس کی پول کھول دی تو انھوں نے جعلی پیر کو پکڑ لیا۔ اسے دو چار تھپڑ مارے تو اس نے مان لیا کہ وہ لوگوں کو ان کی جہالت کی وجہ سے بے وقوف بناتا تھا۔ لوگوں سے بٹوری ہوئی رقم سے اس گاؤں میں اسکول، اسپتال اور ڈاک خانہ بنوایا گیا۔ لوگ اب جان چکے تھے کہ صرف اللہ سے مانگنا چاہیے اور اپنے اعمال درست کرنے چاہییں۔

رحم دلی کا صلہ

مہوش اختر، نارتھ کراچی

حمزہ بہت پیارا بچہ تھا، ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتا اور بڑوں کا ادب کرتا تھا۔ وہ روزانہ شام میں پارک میں کھیلنے جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کھیلنے گیا تو اس نے کونے میں ایک چڑیا کے بچے کو زخمی حالت میں پڑا ہوا دیکھا۔ حمزہ کو اس پر بڑا رحم آیا۔ وہ اُسے اُٹھا کر گھر لے جانے لگا، مگر اس کے دوست اسے منع کرنے لگے۔ حمزہ نے ان سے کہا کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا اللہ تم پر رحم کرے گا۔'' پھر وہ اس چڑیا کے بچے کو اُٹھا کر گھر لے آیا اور مرہم پٹی کی۔ حمزہ نے ایک ہفتے تک اس کا بہت خیال رکھا اور جب وہ ٹھیک ہو گیا تو اسے آزاد کر دیا۔

اس واقعے کے کچھ دنوں بعد حمزہ ایک دن چھت پر کھیل رہا تھا کہ ایک دم اس کا پاؤں پھسلنے سے سیڑھیوں سے نیچے گر گیا، مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حمزہ کو صرف ہاتھوں اور پاؤں پہ ہلکی سی چوٹیں لگیں۔ اتنی اونچائی سے گرنے کے باوجود نہ تو اس کی ہڈی ٹوٹی تھی اور نہ سر پھٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حمزہ کو کسی بڑے حادثے سے بچا لیا تھا، جو کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

حمزہ نے ایک بے زبان پرندے پر رحم کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر رحم کیا۔

☆☆☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۲ء میں ڈاکٹر عمران مشتاق کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع کی گئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد صرف ایک عنوان ''غرور کا سر نیچا'' کو بہترین قرار دیا ہے۔ یہ عنوان مختلف شہروں سے ۱۷- نونہالوں نے بھیجا ہے۔ ان سب نونہالوں کو انعام کے طور پر کتاب روانہ کی جا رہی ہے:

۱۔ سیدہ ابیہ حسن، کراچی — ۲۔ حرا اسلم خانزادہ، کراچی
۳۔ عائشہ عثمانی، کراچی — ۴۔ علیحہ فاطمہ، کراچی
۵۔ شازیہ انصاری، کراچی — ۶۔ بلال احمد، نارتھ کراچی
۷۔ عروج عاقل، کراچی — ۸۔ الضحیٰ فاطمہ، ٹھٹہ
۹۔ شہزیم راجا، جھڈو — ۱۰۔ اقصیٰ خان، سکھر
۱۱۔ رابعہ بانو، سکھر — ۱۲۔ محمد آصف جمال، لاہور
۱۳۔ صباحت گل، بہاول پور — ۱۴۔ عروہ جبار، رحیم یار خان
۱۵۔ رحیقہ شہزاد، گجرات — ۱۶۔ رفعت بتول، سرگودھا
۱۷۔ عمارہ الیاس خان، ڈیرہ غازی خان

﴿ چند اچھے عنوانات ﴾

اللہ کی حکمت۔ اللہ کے بھید۔ آخری فیصلہ۔ فیصلے کی گھڑی۔ قدرت کا انصاف۔ کہانی ایک جنگل کی۔ اصلی بادشاہت۔ غرور کا سر نیچا۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: سید محمد حذیفہ، سید محمد فیضان، عباس علی موبی، ماریہ وسیم، زینب اشفاق، حفصہ محمود، مریم معین، ناعمہ تحریم، طہورا عدنان، سجاد علی، واجد نگینوی، مہوش اختر، اے ڈی لاریب میمن، اعراف نعیم الدین انصاری، شاہ بشریٰ عالم، مریم اویس، مہوش حسین، ورشہ اعجاز، امام احمد صدیقی، قطرینہ قائم، اسد فدا حسین کیریو، عروج عابد صدیقی، فاطمہ شفقت، ایمان اسلم علی، محمد طلحہٰ، تسبیحہ ممتاز، سندس آسیہ، نمرہ اقبال، محمد سلمان میگانی، سیدہ ادبھ حسن، شیخ حسن جاوید، اُمِ عادل، وقار حسین، محمد طاہر آصف خان، ایمن جان عالم، حیات عمران، طلحہ آصف خان، محمد خرم خالد، شاء اسد، اویس محمد سہیل، سیدہ زہرہ امام، پرنس بسمہ نواب، محمد سید رضوان، سہیل احمد بابوزئی، سیدہ مریم محبوب، حرا اسلم خانزادہ، سیدہ محمد عاقب، سیدرہ علی، مظفر ایم عارف، مائرہ مشتاق، عائشہ عثمانی، صفوان علی جواد، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سید شہظل علی، سید باذل علی اظہر، بسمہ وقاص، سیدہ نعمانیہ، سید محتشم انصار احمد، ایس۔ بی محمد ریحان وقار، علیحہ فاطمہ، ولید بن خلیل، عمر نذیر، رخسانہ جنید، شازیہ انصاری، عائشہ جمیل، نعمان عبدالکریم، سبیکا خان، جائشہ اقبال، بلال احمد، اسماء ارشد، سیدہ ثوبیہ ناز، جویریہ حفیظ اللہ خاں، سید سلمان جاوید نجمی، نعیم الرحمٰن خانزادہ، حریر ناز، عروج عاقل، سلمہ محمد صلاح الدین، زنیرہ خالد، رفیعہ امین، بلقیس فاطمہ، محمد عثمان شاہد، سید نبیل منور ☆ ٹھٹھہ: نیہاں اختر، اُمِ کلثوم، محمد رافع اختر، الضحیٰ فاطمہ، طوبیٰ، اقصیٰ احمد ☆ حیدرآباد: ارسلان اللہ خان، محمد اُسامہ، محمد صادق علی، سنبل ناز، طہٰ یاسمین، حمنہٰ توحید، شہنور سخاوت، محمد وقاص معراج، عائشہ ایمن، ملائکہ خان ☆ میرپورخاص: جویریہ اسمٰعیل، عاصمہ بنت عبدالحمید، صدف عبدالرحمٰن، عائشہ مہک، زونش، محمد اعظم مغل، محمد بلال ☆ خیرپور میرس: ریحانہ راجپوت ☆ ڈگری: عمر طلحہٰ مغل، محمد طلحہٰ مغل ☆ سانگھڑ: محمد طلحہٰ میمن، محمد عرفان حیدر، محمد طلحہٰ ☆ جھڈو: شہزیم راجا، انعم محمد اقبال ☆ کشمور: عبداللطیف چاچڑ ☆ جیکب آباد: عبدالرزاق

☆ سکرنڈ: منور سعید خانزادہ ☆ سکھر: رابعہ بانو، نائلہ شیر محمد ☆ لاہور: محمد آصف جمال، زویا زاہد، عائشہ رفیق، وہاج عرفان، جویریہ یونس، آہلہ عمران ☆ راولپنڈی: مریم فاطمہ، میمونہ یاسمین، قراۃ العین حیدر، عثمان سجاد، جویریہ ارشاد ☆ اسلام آباد: زونا عمران، ذیشان محمود، بلال حسین ☆ بہاول پور: صائمہ غلام رسول، حافظ احمد ارسلان، حنا بلقیس، صباحت گل، قرۃ العین عینی، ایمن نور، امامہ عاکفین، فاطمہ صفدر ☆ رحیم یار خان: محمد ارحم، شعیب اختر ☆ خانپور ضلع رحیم یار خان: آمنہ وسیم ☆ رحیم یار خان: محمد حماد نصیر، ثمرین مہرین، سیرت فاطمہ فاروقی، عروہ جبار ☆ شورکوٹ: ساجد فاروق ☆ خانیوال: راؤ لقمان ☆ بورے والا: حسان بدر، محمد عبیدالرحمٰن ☆ ملتان: حافظ محمد یوسف، سمیرا یوسف، موحل طارق، عروبہ رضوان، ہمایوں طارق، شمسہ کنول ☆ وہاڑی: شارو دل ☆ جہلم: محمد افضل، راجا مصحف علی، پرنس راجا ثاقب محمود، زینب جواد، عبداللہ نعیم ☆ کوئٹہ: کائنات ممتاز ☆ فیصل آباد: ایم اسلم مغل، سارہ حامد ☆ بھکر: مائدہ خان ☆ اوکاڑہ: عظیم وقار، ایچ ایم سلیم نور ☆ راجن پور: لائبہ جنت درانی ☆ لاڑکانہ: سرکشا کماری ☆ سکھر: دلشاد انصاری، سید محمد بلال احمد، اقصیٰ خاں، محمد فرقان شیخ ☆ ٹنڈو الہیار: عباداللہ ملاح، حسنہٰ، حفصہ بنت شوکت علی ☆ جام پور: محمد اکبر بلال جان ☆ نوشہرہ: نوین رحمٰن ☆ ساہیوال: رضوان منظور، امجد اقبال پکھی ☆ گجرات: رحیقہ شہزاد ☆ جھنگ صدر: احتشام امجد ☆ حسن ابدال: محمد کامران ☆ جھاوریاں: رفعت بتول ☆ کوٹلی آزاد کشمیر: محمد جواد چغتائی ☆ گوجرانوالہ: نول فاطمہ ☆ ڈی جی خان: عبداللہ سلمان، عمارہ الیاس خان ☆ واہ کینٹ: انیق احمد ☆ پنڈی گھیپ: محمد اسماعیل اجاگر ☆ کوہاٹ: محمد وجدان شاہ ☆ ہری پور: محمد سلمان اسرار ☆ تحصیل جنڈ، ضلع اٹک: عدیل شوکت ☆ ضلع اٹک: دعا فاطمہ ☆ حضرو ضلع اٹک: محمد علی ☆ پشاور: یمنیٰ عظیم ☆ دلیوالہ: امیر حمزہ یامین ☆ جوہرآباد: اویس رفعت۔

☆☆☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
مضمر	مُ ضْ مَ ر	پوشیدہ۔مخفی۔
لچھن	لَ چْ چھَ ن	چال ڈھال۔کرتوت۔عادت۔سیرت۔خصلت۔
ساکنان	سَا کِ نَا ن	باشندہ۔مکین۔باسی۔مقیم۔
بانکپن	بَا نْ کْ پَ ن	نازوانداز۔شوخی۔طراری۔نخرہ۔
عیّار	عَ یْ یَا ر	چالاک۔ہوشیار۔مکار۔فریبی۔
رباب	رَ بَا ب	ایک قسم کی سارنگی۔ایک ساز۔
گگن	گَ گَ ن	ہوا کا کرہ۔آسمان۔موج۔لہر۔نہایت اونچا۔
ثنا	ثَ نَا	تعریف۔توصیف۔حمد۔نعت۔مدح۔
اجیالا	اُ جْ یَا لا	روشنی۔نور۔صبح کی سفیدی۔سویرا۔
رفعت	رِ فْ عَ ت	بلندی۔اونچائی۔مرتبے کی بلندی۔عظمت۔شان۔عزت۔
جنون	جُ نُ و ن	دیوانگی۔پاگل پن۔عشق۔غصہ۔طیش۔سودا۔
بھرم	بھَ رَ م	شہرت۔عزت۔آبرو۔بھروسا۔ساکھ۔اعتبار۔
خلاق	خَ لْ لَا ق	بہت پیدا کرنے والا۔خالق۔اللہ کا صفاتی نام۔
سرزنش	سَ رْ زَ نِ ش	ملامت۔برا بھلا کہنا۔جھڑکی۔
شعور	شُ عُ و ر	دانائی۔عقل۔سلیقہ۔ہوش۔تمیز۔پہچان۔
المیہ	اَ لَ مْ یَہ	دردناک۔واقعہ۔انگریزی لفظ TRAGEDY کا ترجمہ
آہنگ	آ ہَ نْ گ	آواز۔نغمہ۔گانا۔صدا۔نوا۔
پرستار	پَ رَ سْ تَا ر	پوجا کرنے والا۔پجاری۔عاشق۔مُرید۔